وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القرآن)

!اورہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کردیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے

جلد 10	شمارہ 02	جمادی الاول 1437ھ	فروری 2016ء

ISSN 2305-6231

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: جواد عمر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرِتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	سودی بینکاری نظام، دین حق سے برسرِ پیکار ہے	ڈاکٹر طاہر ابرار	9
5	حقیقتِ نفاق (حصہ اوّل)		16
6	ابراہیمی نصابِ تعلیم.....	محمد رشید عمر	26
7	لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ.....(القرآن)	عبدالرشید ارشد	32
8	امریکہ کی سرکاری مہر	رضی الدین سیّد	36
9	دین و مذہب اور سیکولرازم	محمد فہیم	39
10	ایک پاکیزہ محفل مشاعرہ	مولانا عبدالماجد دریابادی	42
11	مقدمۂ سیرت (سلسلہ وار 1)	ساجد محمود مسلم	44
12	خصوصی اشاعت "حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے" پر اہل علم کے تأثرات		53

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ البلد آیات 20 ، رکوع 1

اس سورۂ مبارکہ میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ یہ دنیا انسان کے لیے راحت و آرام کی جگہ نہیں ہے بلکہ اس کی پیدائش بھی مشقت کی حالت میں ہوئی ہے اور اس کے مستقبل کا انحصار بھی محنت و مشقت پر ہی ہے (انسان اپنے لیے یہ مشقت بھری زندگی کبھی اختیار نہ کرتا اگر اس کا بس چلتا) لیکن پھر بھی غافل انسان سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی قدرت نہیں رکھتا اور اس کو کوئی نہیں دیکھ رہا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو دیکھنے کو دو آنکھیں، بولنے کو زبان اور دو ہونٹ دیے ہیں اور بھلائی اور برائی میں امتیاز کی ہدایت بخشی ہے۔ اس سب کا مقتضا تو یہ تھا کہ وہ احکامِ الٰہی کا تابع ہوتا یعنی خلق خدا سے تکلیف کو دور کرتا اور خود بھی ایمان والا بنتا اور دوسروں کو بھی ثابت قدمی اور مہربانی کی تلقین کرتا اور آخرت میں اصحاب المیمنہ (اہل جنت) میں شامل ہو جاتا مگر جنھوں نے ایسا کرنے کی بجائے اللہ کی آیات کا انکار کیا ان بدنصیبوں کو دوزخ کی آگ میں بند کر دیا جائیگا۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ O وَ اَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ O وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ O

ہمیں اس شہر (مکہ) کی قسم ہے اور آپ (ﷺ) اسی شہر میں تو رہتے ہیں۔

اور باپ (یعنی آدم) اور اس کی اولاد کی قسم

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ O

کہ ہم نے انسان کو تکلیف (کی حالت) میں (رہنے والا) بنایا ہے

اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّنۡ یَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ اَحَدٌ O

کیا وہ خیال رکھتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پائے گا

یَقُوۡلُ اَہۡلَکۡتُ مَالًا لُّبَدًا O اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ یَرَہٗۤ اَحَدٌ O

کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال برباد کر دیا کیا اسے یہ گمان ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں

اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ عَیۡنَیۡنِ O وَلِسَانًا وَّشَفَتَیۡنِ O وَ ہَدَیۡنٰہُ النَّجۡدَیۡنِ O

بھلا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں؟ اور زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیے)

(یہ چیزیں بھی دیں) اور اس کو (خیر اور شر کے) دونوں رستے بھی دکھا دیے

فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَۃَ O وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡعَقَبَۃُ O فَکُّ رَقَبَۃٍ O

مگر وہ گھاٹی پر سے ہو کر نہ گزرا۔ اور تم کیا سمجھے کہ گھاٹی کیا ہے؟ کسی کی گردن کا چھڑانا۔

اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَۃٍ O یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَۃٍ O اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَۃٍ O

یا بھوک کے دن کھانا کھلانا یتیم رشتہ دار کو یا فقیر خاکسار کو

ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَۃِ O

پھر ان لوگوں میں بھی (داخل) ہوا جو ایمان لائے اور صبر کی نصیحت

اور (لوگوں پر) شفقت کرنے کی وصیت کرتے رہے

اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ O

یہی لوگ صاحب سعادت ہیں

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا ہُمۡ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَۃِ O

اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو نہ مانا وہ بدبخت ہیں

عَلَیۡہِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَۃٌ O

یہ لوگ آگ میں بند کر دیے جائیں گے

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

اِنَّ اللّٰہَ یَقْبَلُ الصَّدَقَۃَ وَیَأْخُذُھَا بِیَمِیْنِہٖ فَیُرَبِّیْھَا لِأَحَدِکُمْ کَمَا یُرَبِّیْ أَحَدُکُمْ مُھْرَہٗ، حَتّٰی اِنَّ اللُّقْمَۃَ لَتَصِیْرُ مِثْلَ أُحُدٍ

(ترمذی عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

بے شک اللہ تعالیٰ صدقے کو قبول کرتا ہے اور داہنے ہاتھ میں لے کر اس کی پرورش کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے، یہاں تک کہ ایک لقمہ بڑھتے بڑھتے اُحد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

الجامع الصغیر فی احادیث البشیر و النذیر للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ

ملک میں مسلکی و مذہبی ہم آہنگی کے لیے
نمازوں کے اوقات ایک کرنے سے زیادہ اہم
متفقہ اساسات کو فروغ دینا ہے

انجینئر مختار فاروقی

ہمارے ہاں قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک تمام حکمرانوں نے ملک میں اسلام کی حقیقی تعلیمات پر عمل درآمد کے کام کو 'زیرالتوا' ہی رکھا ہے اور ہمیشہ عوام کی اَشک سوئی کے لیے وقتی اور سہل تدابیر اختیار کر کے اپنی حکومت کے دن پورے کرنے اور اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے سارا زور صرف کیا ہے اور ہمیشہ بیانات کی حد تک اسلام کی حمایت کی ہے۔

جمعہ کی چھٹی کا معاملہ ہو، نصابِ تعلیم کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنا ہو، سود کا خاتمہ ہو، زکوٰۃ اور صلوٰۃ کا نظام ہو ہر موقع پر حقیقی، پرخلوص اور جوہری (CORE) اقدامات کرنے کی بجائے سیاسی نمبر بنانے اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے والے اقدامات کیے ہیں یا ہر مسلک کے علماء میں کچھ مؤثر اور VOCAL قسم کے اہلِ علم کو ساتھ ملا کر معاملے کو ہمیشہ مؤخر ہی کیا ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ شاید عالمی دباؤ ہوسکتا ہے کہ یہ زمانہ مغربی افکار و نظریات کے عروج کا زمانہ ہے اور اس زمانے میں خود 'پاکستان' کا ایک اسلامی نظریاتی مملکت کے طور پر اُبھرنا ہی سیکولر ماحول میں 'خدا کا نام لینے' کی طرح جرم تھا کہ جس پر تھانے میں رپٹ درج کرانا ضروری ہے۔ ہاں مغربی نظریات کے تحت یا اس سے مطابقت رکھنے والے اُمور فوراً طے پا جاتے ہیں۔ شاید یہ IMF کے قرضوں اور UNO کے ممبر شپ کی کچھ UNWRITTEN دفعات کی جادوگری ہوسکتی ہے کہ ہماری (اور پورے عالم اسلام کی) مسلمان حکومتیں اسلام کے نفاذ کے ذریعے اسلام

کے عادلانہ نظام کی طرف سیاسی، اقتصادی اور سماجی سطح پر کسی آواز پر چونک جاتی ہیں۔

کوئی چالیس سال پہلے حکومت کی کشتی بھنور میں دیکھ کر جمعہ کی چھٹی، شراب پر پابندی، جواء پر پابندی جیسے اقدامات ہوئے، جناب ضیاءالحق صاحب کے دور میں کچھ نیم دِلانہ اقدامات ہوئے۔ مگر 'سود' کے خاتمہ یا کرپشن کے خاتمہ جیسے امور پر ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے تحت کسی پیش رفت کا تصور بھی نہیں ہے۔ اس وقت بھی ہمارے ملک میں ایک طرح کرپشن کے خلاف نیشنل ایکشن پلان کے تحت اقدامات کیے جارہے ہیں اور پوری قوم کو اس میں کچھ پیش رفت کی 'توقع' سی ہورہی ہے مگر المیہ یہ ہے کہ اس بنیادی مسئلے میں کرپشن کے خاتمے کے لیے 'نظریۂ پاکستان' یا 'اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام' اور 'قرآن یا آسمانی ہدایت کا نام لینا' کہیں نظر نہیں آتا حالانکہ کرپشن کے خاتمے پر جتنا زور ہمارا دین ـــــ دین اسلام دیتا ہے اتنا شاید ہی کسی اور نظریے میں ہو۔

مزید برآں ایک مسلمان کو، چاہے وہ نام کا ہی ہو، کسی کام پر آمادہ کرنے کے لیے جتنا آسان طریقہ 'اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام' کے حوالے سے ہے اتنا کوئی اور طریقہ ممکن نہیں۔ پھر یہ بات بھی بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ ڈنڈے کے زور اور قانون کی شقوں کی سختی کے تحت 'کرپشن' کا خاتمہ اتنا دیرپا نہیں ہوسکتا اور حقیقی نہیں ہوسکتا ہے جتنا 'کرپشن کا مؤثر خاتمہ' ایمان بالآخرۃ کے ساتھ اپنے ربّ کے ہاں پیشی، موت کا تصوّر، ضمیر اور جنت دوزخ کے اسلامی تصورات کے ساتھ ممکن ہے۔ مگر اس طرف نامعلوم کیوں پیش رفت نہیں ہورہی اور کون روک رہا ہے، واللہ اعلم کہ اس مہم کو بھی سیکولر انداز میں چلانے کی کیا حکمتیں ہیں؟ آزمائش شرط ہے کہ آپ کرپشن کے خلاف اس مہم میں مذہبی رنگ داخل کریں پھر عوامی تائید اور مجرموں کی آنکھیں بھی نم ہوتی نظر آئیں گی۔

ہمارے ہاں ہماری وزارتِ مذہبی اُمور گزشتہ سال سے اسلام آباد اور دوسرے بڑے شہروں میں نمازوں کے اوقات ایک کرنے پر زور دے رہی ہے اور اس کے لیے محنت کررہی ہے مگر عمل درآمد بہت دُور کی بات ہے اس لیے کہ اس میں مسلکی جائز اختلافات سامنے آتے ہیں سعودی عرب میں ساری مسجدیں حکومت کے کنٹرول میں (NATIONALIZED)

ہیں تب یہ ممکن ہوا ہے۔ ہمارے ہاں علماء امریکی ایجنڈے کے تحت مساجد کے حکومتی تحویل (NATIONALIZATION) کے خوف سے اس 'شکنجے' میں آنے سے گھبراتے ہیں (حالانکہ دورِ خلافت راشدہ میں بھی ساری مساجد حکومتی تحویل میں تھیں اور آئندہ اسلام کے عالمی غلبہ کے دوران بھی تمام مساجد حکومتی تحویل میں ہی ہوں گی)۔

اس کے برعکس اگر ہماری وزارتِ مذہبی امور مخلص ہوتو ــــــ تمام مسالک کے درمیان جو امور متفقہ ہیں ان پر سب کو اکٹھا کر کے عمل درآمد کرا سکتی ہے۔ مثلاً تمام سماجی برائیاں از قسم بھتہ خوری، جھوٹ بولنا، کم تولنا، ملاوٹ، دونمبر چیزیں فروخت کرنا، دھوکہ دہی، رشوت، بے حیائی، فحاشی، سود وغیرہ ہمارے ہاں متفقہ طور پر حرام ہیں۔ کونسے مسلک کا عالم ہوگا جو اپنے ماننے والے کو 'فتویٰ' دے سکتا ہے کہ یہ فتویٰ اپنی دکان، سٹور یا دفتر میں لگا لو کہ ملاوٹ جائز ہے یا رشوت جائز ہے۔ اگر حقیقت یہی ہے تو ہماری وزارت مذہبی امور تمام مسالک کے اکابرین اور ہر قابل ذکر مذہبی 'پیر گھرانے' اور گدی نشین سے تحریر لے کر اکٹھی کیوں نہیں کرتی اور ملک بھر کی مارکیٹوں میں اس کو کاروبار تجارت اور لین دین کا ضابطہ اخلاق کیوں نہیں بتاتی۔ (اس معاملے میں تو ہمیں یقین ہے کہ غیر مسلم اقلیتیں بھی بخوشی مسلمانوں کا ساتھ دیں گی)

اتنا ــــــ متفقہ اور تسلیم شدہ بنیادی کام اور اس بے پناہ فوائد کا حامل یہ نسخہ آزمایا جانا ضروری ہے کہ جس سے اس ملک کے مسلمان ہی نہیں غیر مسلم شہری بھی برابر کے مستفیض ہو سکتے ہیں اور غریب امیر سب اس کے BENEFICIARY ہوں گے۔

ہماری درخواست ہے کہ ہماری وزارت مذہبی اُمور اس TASK کو بھی ایک چیلنج سمجھ کر قبول کرے اور پُرخلوص اقدامات کے ذریعے اس کو ممکن بنادے تو اس کی برکات سے پورے ملک میں امن وسکون کا دور دورہ ہوسکتا ہے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْز

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو

(القرآن)

بینکاری (سُودی) نظام

دین حق سے برسرِ پیکار ہے

ڈاکٹر طاھر ابرار

صادق آباد

سودی لین دین کی تاریخ یوں تو ہزاروں برس پرانی ہے لیکن عہدِ حاضر میں جزوی ریزرو (FRACTIONAL RESERVE) پر مبنی سودی بینکاری نے ایک ایسے مہیب نظام کا روپ دھار لیا ہے جس کی خون آشامی، درندگی اور انسانی زندگی پر ہمہ گیر تسلط کی مثال آج تک دیکھنے میں نہیں آتی۔

سچ تو یہ ہے کہ غلبۂ دین کے لئے کی جانے والی تمام کوششوں کی راہ میں اصل اور بنیادی رکاوٹ یہی جدید بینکاری نظام ہے۔ ایمان اور دعوت کی راہیں کھوٹی کرنے کے لئے اس نے چپے چپے پر جال بچھا رکھا ہے لیکن اس کا اِدراک مسلم ورلڈ میں عنقا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جزوی بینکاری (جو کہ سود کے ساتھ نتھی ہے) ایک تکنیکی معاملہ ہے جسے بینکنگ سے تعلق رکھنے والے لوگ تو جانتے ہیں لیکن باقی لوگ یعنی سیاست دان، علمائے دین، دانشور غرض کوئی بھی اس تکنیک سے واقف نہیں گویا اس اعتبار سے وہ LAY MAN ہیں۔ جب تک اس تکنیک کو نہ سمجھا جائے دین و دانش کی راہ میں اس کی تباہ کاریوں کا عشرِ عشیر بھی انسان کی فہم کے دائرے میں نہیں آ سکتا۔ ذیل میں جزوی ریزرو پر مبنی سودی بینکاری کی اس تکنیک کی وضاحت کی جا رہی ہے تا کہ ایک عام مسلمان بھی اپنے ایمان کے بلیڈ (BLEED) ہوتے چلے جانے کے سبب کو پہچان سکے اور غلبۂ دین حق کی جدوجہد میں مصروف رجالِ کار اپنے رستے کی اصل مزاحمت کی شناخت کر سکیں۔

جزوی ریزرو سودی بینکاری

عہد حاضر میں دنیا بھر میں بینکاری ایک ہی بنیاد پر چلائی جارہی ہے۔اس طریقے کے مطابق بینک اپنے سرمائے کا دس گنا بطور قرض کے جاری کرسکتا ہے یعنی اگر ایک بینک ایک کروڑ کے سرمائے(PAID UP CAPITAL) کے ساتھ قرض دینے کا کاروبار شروع کرتا ہے تو اس کی قرض دینے کی صلاحیت دس کروڑ ہوگی۔ بادی النظر میں یہ ناقابل یقین لگتا ہے لیکن یہ عملاً ہورہا ہے اور قانونی بنیاد پر کیا جارہا ہے۔اس کا طریق کار یہ ہے کہ بینک 10% سرمایہ ریزرو رکھ کر باقی 90% قرض کے طور پر دے سکتا ہے، یعنی ایک کروڑ میں سے دس لاکھ روپے اپنے پاس ریزرو رکھ کر باقی 90 لاکھ قرض کے طور پر جاری کرسکتا ہے۔قرض دی جانے والی یہ رقم بہرصورت چند دن کے اندر بینکنگ سسٹم یا بینک میں واپس پہنچ جاتی ہے۔اس لئے کہ ہر شخص اپنے پاس آنے والی رقم کو اپنے اکاؤنٹ میں ڈیپازٹ کروا دیتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ زمین میں گڑھا کھود کر اسے دبا دیا جائے اور ضرورت پڑنے پر دوسرے یا تیسرے دن کسی ادائیگی کے لئے اس گڑھے سے دوبارہ نکالا جائے اور پھر کسی وصولی کی صورت میں گڑھا دوبارہ کھودا جائے۔

چنانچہ بینک میں واپس لوٹنے والی 90% رقم میں سے دوبارہ اس کا 10% ریزرو رکھ کر باقی رقم دوبارہ قرض پر دے دی جاتی ہے۔ یہ رقم دوبارہ بینکنگ سسٹم کے مختلف کھاتوں میں واپس آجاتی ہے (مختلف بینک آپس میں ایک دوسرے کے چیکوں کی حساب فہمی کرتے رہتے ہیں)۔اب پھر اس رقم کا 10% ریزرو رکھ کر باقی رقم بینک قرض کے طور پر جاری کرسکتا ہے۔اس طرح دس چکروں میں تمام رقم قانونی طور پر ریزرو میں آجاتی ہے اور بینک اب مزید قرض اس رقم میں سے نہیں دے سکتا۔

اب یہ سامنے کی بات ہے کہ اس طرح بینکر ایک کروڑ کی بنیاد پر 9 کروڑ کی اضافی رقم تخلیق کر لیتا ہے۔اس کی تجوری میں تو وہی ایک کروڑ کے نوٹ ہی ہوتے ہیں لیکن اس ٹیکنیک(MONEY MULTIPLAER) کے ذریعے 9 گنا آنکھ اوجھل کرنسی (OUT OF SIGHT MONEY) پیدا کرکے بینکر قرض دینے کی ایک خوفناک استعداد کا مالک بن جاتا ہے۔اور یہ قوت دنیا بھر میں صرف اور صرف بینکنگ کو حاصل ہے کسی حکومت کو بھی یہ اختیار حاصل

نہیں کہ وہ اس عمل سے 9 گنا آنکھ اوجھل کرنسی وجود میں لا سکے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا بھر کی حکومتیں بجٹ بناتے وقت عموماً بینکرز سے رجوع کرتی ہیں تا کہ سالانہ بجٹ کا خسارہ پورا کیا جا سکے۔ کرنسی چھاپنے کے سلسلے میں بھی ہر حکومت IMF کے قوانین کی رو سے کرنسی چھاپنے کی محدود صلاحیت رکھتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ تقریباً تمام حکومتیں بینکر کی مقروض ہو چکی ہیں (تنہا امریکہ 16 ٹریلین ڈالر کا مقروض ہے اور یہ قرضے FED کے ہیں جو سات پرائیویٹ بینکوں پر مشتمل ایک غیر سرکاری ادارہ ہے۔ کرنسی چھاپنے اور اس کرنسی چھاپنے کی فیس وصول کرنے کا اختیار بھی FED کے پاس ہے)۔ مقروض حکومتیں مہاجن کی طے کردہ شرائط اور پالیسیوں پر عمل کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں۔ چنانچہ ان حکومتوں کے ذریعے عوام کے لئے ایسی پالیسیاں تشکیل کی جاتی ہیں جو عالمی مہاجن کے مقاصد کو پورا کرتی ہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ موجودہ دور دستکاریوں کا نہیں۔ مشین کے وجود میں آنے اور INDUSTRIAL REVOLUTION کے بعد دستکاری صرف قدیم یادگار کے طور پر باقی رہ گئی ہے۔ معاشرہ اب مشینی صنعت کے ذریعے اپنی ضروریات پورا کرنے پر مجبور ہے اور مشین کا پیٹ پیسے سے بھرتے چلے جاؤ، پھر بھی نہیں بھرتا۔ چنانچہ اسے کثیر مقدار میں قرض کی ضرورت پڑتی ہے کہ صرف مہاجنی نظام (جزوی ریزرو + سود) ہی اسے فراہم کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس ضرورت کو اور بڑھاتا بھی چلا جاتا ہے۔ انڈسٹری روزگار کا ذریعہ ہے اور قرض انڈسٹری کو چلانے کے لئے ناگزیر۔ چنانچہ عام آدمی سے لے کر حکومت تک سبھی عالمی مہاجن کے جبر تلے سسک رہے ہیں۔

اب آیئے دین وایمان اور معاشرے کی اَخلاقی بُنت (FABRIC) کی طرف۔ حرام وحلال کا معاملہ ایسا ہے کہ انسان یا تو عقیدے اور مذہب کی بنا پر حلال وحرام کو تسلیم کرتا ہے یا پھر حکومتی قوانین کے قرار دیئے LAWFUL اور UNLAWFUL کو تسلیم کرتا ہے۔ اگر علم وحی پر مبنی حلال وحرام کے احکام سے انسان کو منحرف کر کے صرف حکومتوں کے طے کردہ حلال وحرام کے تحت لے آیا جائے تو حاکمیّت والا بدترین شرک وجود میں آجاتا ہے اور یہی بینکر کا مقصود بھی ہے جو زبان حال سے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی پکار رہا ہے۔ آج دنیا بھر میں سودی بینکاری کا ادارہ ہر حکومت

کے عطا کردہ لائسنس کے تحت چل رہا ہے۔ جبکہ مسلم ممالک کے عوام اور حکمران خوب جانتے ہیں کہ یہ کس درجے کا گناہ ہے۔ کیا عالمی مہاجن کے اس جبر اور تسلط کے مقابلے میں کوئی اور مثال موجود ہے؟ آخر بینکر یہ لائسنس کس طرح سے حاصل کر لیتا ہے؟

اس کی مزید وضاحت اس امر سے ہو جاتی ہے کہ آج روپیہ یعنی کرنسی MEDUIM OF EXCHANGE کے طور پر معاشرے میں وہی حیثیت اختیار کر چکی ہے جو انسانی جسم کے اندر 6 لیٹر خون کی ہے۔ یہ خون اگر نکال دیا جائے تو باقی صحیح وسالم وجود محض ایک لاش بن کر رہ جاتا۔ اسی طرح سے اگر کرنسی کو اچانک غائب کر دیا جائے تو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے آگے فل سٹاپ لگ جائے گا۔

کیا حکومت اپنے لاکھوں سرکاری ملازمین کو تنخواہیں گندم، چاول یا کپاس کی صورت میں دے سکے گی؟ کیا فوج کے لئے دفاعی ساز وسامان کی فراہمی گنے کے ذریعے ممکن ہے؟ کیا جاں بلب مریض اپنی ادویہ مکئی یا کپڑے کے عوض حاصل کر سکیں گے۔ سکولوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کی تنخواہیں کس جنس میں ادا کی جائیں گی۔ مسجد کمیٹی کے معززین اگر بجلی کا بل (مسجد) ادا کرنے کے لئے کھجوروں کی بوری لے جائیں تو کیا ریونیو آفس والے بل کی ادائیگی اس شکل میں قبول کر لیں گے؟ لاکھوں اور کروڑوں کا بزنس کرنے والے اگر ہزاروں من کپاس اور گندم بینکوں میں اپنے اپنے اکاونٹ میں جمع کروانے کے لئے پہنچ جائیں تو صورتحال کیا ہوگی؟

مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ کرنسی (روپیہ) تمدنی ارتقاء کے اس مرحلے پر ایک ایسی ناگزیر ضرورت بن گیا ہے کہ جس کے بغیر ایک قدم چلنا بھی تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ اور اب ہم دوبارہ یاد کروادیں کہ حکومت کی طرف سے جاری شدہ کرنسی کمرشل بینکوں (بینکنگ سسٹم) میں آتے ہی دس گنا حجم میں تبدیل ہو جاتی ہے گویا کرنسی کا آقا درحقیقت بینکر ہے اور وہ حکومتوں کو بھی قرض دینے کی اہلیت رکھتا ہے، اس کرنسی میں سے (OUT OF SIGHT MONEY) جو کہیں ہوتی ہی نہیں ہے۔ اسی آنکھ اوجھل کرنسی کے ذریعے الیکٹرانک اور پریس میڈیا کو عالمی مہاجن پورے طور پر کنٹرول کرتا ہے۔ ہر انسان کے اوقات پر اصل تسلط بینکر نے حاصل کر لیا ہے۔

اب غلبۂ دین کی دعوت دینے والے رجالِ کار جب میدان میں نکلتے ہیں تو پہلے قدم پر

ہی انہیں مہاجنی ملوکیت سے مقابلہ درپیش ہوجاتا ہے۔ وقت فارغ کیے بغیر نہ ایمان کی محنت ہوسکتی ہے نہ دعوت کے لئے داعی نکل سکتا ہے۔ اس لئے کہ ایک طرف تو کسی نہ کسی درجے میں ضروریاتِ زندگی فراہم کرنا داعی کے لئے بھی ناگزیر ہے اور ملازمت، روزگار، سواری، بجلی کا ٹیرف، کھانا پکانے کے لئے فیول، غرضیکہ ہر شے بینکر کے کنٹرول میں ہے۔ دوسری طرف اشیائے صرف چونکہ اب مشینوں سے بنتی ہیں اور ہر تیار پراڈکٹ مختلف انڈسٹریز سے کئی مراحل میں سے نکل کر آتا ہے اس لئے ہر انڈسٹری بینک کو ادا کرنے والے سود کو اپنے پراڈکٹ میں شامل کر کے اسے اگلے مرحلے کے لئے تیار کر دیتی ہے۔ اگلے مرحلے میں مزید پراسیس ہوتا ہے اور یہ انڈسٹری بھی اپنے اوپر پڑنے والے سود کو اس پراڈکٹ کی لاگت میں شامل کر کے اگلے مرحلے کے لئے فروخت کرتی ہے۔ اس طرح پندرہ بیس یا کم وبیش مراحل سے گزرتے ہوئے 30% سے لے کر 60% کے قریب (CUMULATIVE INTEREST) یعنی مجموعی سود ہر COMMODITY میں شامل ہوتا ہے جو بالآخر بینکر کی تجوری کا رخ کرتا ہے (اس کا حوالہ پاکستان اکانومسٹ 8 نومبر 1980ء کے شمارے میں موجود ہے) یہ بات ظاہر ہے کہ سود کی یہ مقدار END USER کو ادا کرنا ہوتی ہے اور داعی کے وسائل تو پہلے ہی محدود ہوتے ہیں اور یوں بینکر داعی کے اوقات پر نظر نہ آنے والا جابرانہ تسلط حاصل کر لیتا ہے۔ یہ 60% کے قریب سود اگر اشیائے صرف میں شامل نہ ہو تو دعوت کے لئے وقت نکالنے کے راستے میں سے کتنی بڑی رکاوٹ ختم ہوجاتی ہے، اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

دوسری طرف رقم اور قرضوں کا پھیلاؤ، جسے بینکر آنکھ اوجھل 9 گنا اضافی کرنسی کے ذریعے وجود میں لاتا ہے، مشینی صنعت کے ذریعے آلاتِ آرائش وآسائش کا ایک طلسم ہوشربا قائم کر چکا ہے، ریسرچ اور ڈویلمنٹ (R&D)، مینوفیکچرنگ تیار مال کی ذخیرہ کاری، مارکیٹنگ اور پبلسٹی غرضیکہ ہر جگہ بینکر کا دیا ہوا طلسمی قرض ہی اپنا جادو دکھا رہا ہے۔ اور تو اور پبلسٹی کے ذریعے اشیائے صرف کو عوام کی ضرورت بنا دینے کے بعد بینکر اس کی خرید کے لئے صرفی قرضے (CONSUMER LOANS) فراہم کرنے کے لئے بھی 'چشمِ ما روشن دلِ ما شاد' قسم کا جھانجن بجاتا رہتا ہے۔

دین کے نام پر بے دینی کی اشاعت کے لئے فنڈز اسی آنکھ اوجھل کرنسی کے مرہونِ منّت ہیں۔سکولوں اور کالجوں میں نصابی تبدیلیاں جن ماہرین کے ذریعے تشکیل پاتی ہیں انہیں ملنے والی مراعات بھی کسی نہ کسی طور بینکر کی مٹھی کھلنے سے ہی وجود میں آتی ہیں۔3G اور 4G قسم کی سہولیات کس کے حکم پر فراہم کی جارہی ہیں۔کیبل کو اینالاگ سے ڈیجیٹل میں تبدیل کرنے کے لئے کیبل نیٹ ورک کے مالکان کو حکومتی ادارے حکم جاری کررہے ہیں۔یہ اقدامات دعوت اور غلبہ دین کی راہ میں مہلک رکاوٹیں کھڑی کرنے والے ہیں۔

حلال روزگار کے ذرائع کو مسدود کرکے حرام ذرائع کو اختیار کرنے پر عوام کو مجبور کرنے کے لئے مہاجن کو لشکر تیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ پریس اور الیکٹرانک میڈیا کے رجحان ساز (TREND SETTER) اداروں کو انتہائی نرم شرائط پر قرض دے کر انہیں نادہندگی کی طرف لے آنا اور پھر ان کے ذریعے غیر محسوس طریقے سے اخلاقی اور معاشرتی اقدار کو بے جان کرکے CORPORATE CULTURE کو رواج دینا عالمی مہاجن کا آزمودہ نسخہ ہے۔دینی تعلیم کا گلا گھونٹ کر عصری تعلیم میں اصلاحات کے نام پر ایسے ایسے زہریلے انجکشن لگائے جارہے ہیں جو آنے والی نسلوں کو صرف کیپٹل ازم کے بے خدا تمدن کے ربورٹس (ROBOTS) میں تبدیل کردیں گے۔اقبال نے تو غالباً پون صدی قبل کہا تھا کہ ؎

عہد حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش

آج پون صدی کے بعد روحِ مسلم کس حال میں ہوگی، اس کا اندازہ انہی کو ہوسکتا ہے جو ''ایں بنوک! ایں فکر چالاک یہود'' کی گہرائی اور گیرائی کو سمجھتے ہیں۔اور داعیٔ دین کے لئے تو اسے سمجھنا اوّلین فریضہ اور تقاضا ہے۔تاکہ دعوت کی راہ کی اصل مزاحمت اور رکاوٹ کو تشخیص کرکے، اس زمانے کے الٰہِ باطل کی شناخت کرکے سارا زور اسے گرانے پر صرف کیا جائے۔

اگرچہ کیپٹل ازم خود ایک مکمل نظریۂ زندگی ہے لیکن آج یہ غالب ہے تو صرف اور صرف سودی بینکاری کے ادارے کے بل پر۔اگر اس ادارے کو ٹارگٹ کیا جائے تو اس کے انہدام کے نتیجے میں کیپیٹلزم کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے آن گرے گی۔آج ہر انسان کی کمر پر سود کا بوجھ لدا ہوا ہے۔اس اجمال کو ذرا اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

فرض کیجئے ایک کسان کپاس کاشت کر رہا ہے۔ اب اسے کپاس کا بیج، کھاد، کرم کُش ادویہ، ٹیوب ویل، ٹریکٹر، ڈیزل اور کچھ دیگر زرعی آلات کی ضرورت پیش آئے گی۔ ان COMMODITIES میں سے ہر ایک کسی نہ کسی فیکٹری سے بن کے آ رہی ہے اور اس فیکٹری کے مالک نے بینکر سے سودی قرض بھی لے رکھا ہے۔ اب وہ اپنا آئٹم جب کسان کے ہاتھ فروخت کرے گا تو بینکر سے قرض لی ہوئی رقم پر پڑنے والا سود لاگت میں شامل کر کے کسان سے وصول کرے گا۔ اوپر بیان کی گئی 6 اشیاء کا سود کسان کپاس کی قیمت میں شامل کر کے جب فروخت کرے گا تو اس کا خریدار یعنی جنّر اس بوجھ کو خود تو نہیں اٹھائے گا۔ پھر یہ کہ اس نے خود بھی بینکر سے قرض لے رکھا ہے تو وہ روئی کے خریدار کو روئی فروخت کرتے وقت یہ سارا سود اس میں شامل کر کے روئی کی قیمت متعین کرے گا۔ اس طرح دھاگہ، کپڑا بننے، فنشنگ، پرنٹنگ اور ڈائنگ، پیکیجنگ اور ٹرانسپورٹیشن وغیرہ سب پر پڑنے والا سود بالآخر ایک عام صارف کو ادا کرنا ہوگا! اب کسی ایک شے پر انگلی رکھ کر بتایئے جو اس عالمی مہاجن کی بندگی سے آزاد ہو۔ اشیائے زندگی میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو چالیس پچاس فیصد سود ادا کیے بغیر صارف استعمال کر سکے۔ اور بندگی صرف عبادت کا نام نہیں یہ تو جسم و جان کی ساری توانائیوں اور صلاحیتوں کے ساتھ کسی کی غلامی کرنے کا نام ہے۔ تو اب سوچ لیا جائے کہ ہم عملاً کس کی بندگی میں مصروف ہیں۔ ایک تہجد گزار کا لباس اور جائے نماز بھی الٰہِ باطل کو خراج ادا کر رہا ہے۔ اسی کے مقابلے میں اصل تحریک برپا کرنا ہوگی۔ پھر دارالحکومتوں میں بیٹھے ہوئے مہاجن کے کماؤ پوت کھل کر سود کو حلال یا حرام قرار دینے پر مجبور ہوں گے۔ ان کے چہرے شناخت ہو جائیں گے تو داعی کے لئے ہدف کی شناخت کروانا بہت آسان ہو جائے گا۔ اور عام آدمی کو مہنگائی کا سبب بھی سمجھ آ جائے گا تو وہ آپ کے ساتھ چلنے کی آمادگی بھی اپنے اندر پائے گا۔

تو قادر و عادل ہے، مگر تیرے جہاں میں ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟ دُنیا ہے تری منتظر روز مکافات

علامہ اقبال

حقیقتِ نفاق

(حصہ اوّل)

انجینئر مختار فاروقی

مدیر مسئول جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے کیڈٹ کالج جھنگ میں ماہانہ درسِ قرآن کے سلسلہ میں 11 مئی 2014ء کو مذکورہ عنوان سے خطاب فرمایا تھا۔ جسے تحریر میں لاکر قارئین حکمت بالغہ کے استفادہ کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔ (مرتب: انجینئر عبداللہ اسماعیل)

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، رسول اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام اور سورۂ منافقون کی آیات 8 تا 11 کی تلاوت کے بعد فرمایا:

عزیز طلباء اور معزز حاضرین! آج کی اس نشست کا عنوان ہے: 'نفاق کی حقیقت' یعنی منافقت کیا ہے۔ منافق کا لفظ ہم اردو، پنجابی اور دوسری زبانوں میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ اصل میں عربی کا لفظ ہے اور منافق کے معنی کم از کم مسلمان تو سارے ہی جانتے ہیں۔ مفہوم کیا ہے؟ یہ ہم ابھی سمجھنے کی کوشش کریں گے لیکن اتنا تو ہر بچہ اور ہر جوان جانتا ہے کہ منافق کوئی برا لفظ ہے جو اگر کسی کو کہہ دیا جائے تو وہ اس کو ایک گالی کی طرح کی چیز محسوس کرتا ہے اور کوئی شخص بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ اُسے منافق کہا جائے۔ یہ نفاق اور منافقت کا لفظ یہ ایمان کی ایک بری کیفیت کا نام ہے۔ ایمان مطلوب یہ ہے کہ آدمی اللہ کو مانے، آخرت کو مانے اور محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کرے، اللہ کی کتابوں کو مانے، فرشتوں کو مانے، اس کا کردار اچھا ہو، اس کے اعمال اچھے ہوں، وہ نیکیاں کررہا ہو، خدمت خلق کررہا ہو۔ اس کے برعکس کچھ لوگ ہوتے ہیں جو ان باتوں کا

دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اس میں مخلص نہیں ہوتے، ہر کام میں وہ بس خانہ پری کے لئے کچھ کر دیتے ہیں لیکن ان کا دل نہیں چاہتا کہ یہ کام کیے جائیں۔ ایسے لوگوں کو ایک حد تو قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ کمزور ایمان کے لوگ ہیں (کبھی کبھار ہو جائے تو یہ ایمان کی کمزوری ہے کہ کبھی نماز رہ گئی، کبھی دین کی کسی ذمہ داری کو نہیں ادا کر سکے، کبھی زبان سے جھوٹ نکل گیا تو یہ ایک ایمان کی کمزوری کی علامت ہے) لیکن جب یہی کیفیت مستقل ہو جائے، ہفتے کے سات دن اور سال کے 365 دن یہی حال ہو جائے تو پھر قرآن مجید اس کو نفاق کہتا ہے یہ منافقت ہے اور پھر ایمان کے نقطۂ نظر سے یہ ایک بیماری ہے ایک روگ ہے جیسے آج کل بہت سارے امراض ہیں مثلاً کینسر اور اس طرح کی کئی بیماریاں ہیں جن کا فوراً پتا نہیں چلتا ابتدائی سٹیج میں پتا ہی نہیں چلتا کہ کوئی آدمی بیمار ہے وہ آدمی اپنے آپ کو نارمل ہی سمجھتا ہے اور ہوتے ہوتے وہ بہت زیادہ بیمار ہو جاتا ہے پھر اس کی بہت زیادہ علامات ظاہر ہو جاتی ہیں پھر گھر والے پریشان ہو جاتے ہیں، پھر ڈاکٹر کو دکھاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اوہو یہ تو پہلی سٹیج بھی گزر گئی ہے دوسری بھی گزر گئی ہے اب تو تیسری سٹیج میں آ گیا ہے اس وقت پھر علاج بہت مشکل بھی ہو جاتا ہے مہنگا بھی ہو جاتا ہے بعض اوقات ناممکن بھی ہو جاتا ہے اگر یہی کینسر یا دوسری بیماریاں پہلی سٹیج میں DIAGNOSE ہو جائیں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے، قابل علاج ہیں، ذرا سی آدمی توجہ کرے گا احتیاطیں کرے گا کوئی دوائی استعمال کرے گا تو اللہ تعالیٰ شفا دے دے گا لیکن وہی بیماری اگر دوسری اور تیسری سٹیج میں چلی جائے تو یا تو وہ مریض لاعلاج ہو جائے گا یا علاج مہنگا ہو جائے گا اور اس کے بعد یقین بھی نہیں ہوتا کہ آدمی شفایاب ہو سکے گا۔

اسی طرح منافقت ہے، منافقت ایک بیماری ہے جو انسان کا مزاج بن جاتی ہے۔ یہ اگر ابتدائی درجے میں DIAGNOSE ہو جائے آدمی کو پتا چل جائے اور آدمی کو خود احساس ہو جائے تو قابل علاج ہے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے اس کا علاج ہو سکتا ہے لیکن اگر آدمی اس کو LIGHTLY لے اور اس پر توجہ نہ کرے، کوئی سمجھائے تو بھی کہے جاؤ جاؤ اپنا رستہ لو میں جانوں میرا کام جانے تو پھر صاف ظاہر ہے آدمی اسی میں آگے بڑھتا جائے گا اور پھر اگلی سٹیج بھی آ جائے گی اور پھر ایسی سٹیج بھی آ جائے گی جو نا قابل علاج ہے۔

قرآن مجید کے نزدیک منافق ہونا بہت بڑے نقصان کا پہلو ہے۔ ایک ہے مسلمان

اورایک ہے کافر۔مسلمان اللہ پرایمان رکھتے ہیں،قرآن مجید پرایمان رکھتے ہیں،محمد ﷺ پرایمان رکھتے ہیں وہ اس کے مطابق زندگی گزارتے ہیں انہیں دنیا میں کچھ مشکلات بھی آتی رہتی ہیں اللہ مدد بھی کرتا ہے مشکلات سے سرخرو بھی ہوکر نکلتے ہیں لیکن مشکلات آتی رہتی ہیں دنیادار لوگ جو غلط کاموں میں لگے ہوئے ہیں وہ ان کا راستہ روکتے رہتے ہیں۔جبکہ کافر جو ہوتے ہیں وہ دنیا میں اپنی من مانی کرتے ہیں مسلمان اللہ اوراس کے رسول کے حکموں کا پابند ہے یہ کرنا ہے یہ نہیں کرنا ادھر جانا ہے ادھر نہیں جانا جبکہ جو کافر ہوتا ہے وہ آزاد ہوتا ہے رات کو جب چاہے سوئے ،صبح جب چاہے اٹھے،کوئی پرواہ نہیں،چھٹی کے دن ہوں تو دو دن سوتا ہی رہے کوئی پوچھنے والا نہیں، جو چاہے کھائے ، جو چاہے پیئے ، جو چاہے دیکھے، جو چاہے سنے، کان سے ایئرفون لگا کر جو مرضی سنتا رہے کافر کو پوچھنے والا کوئی نہیں۔مسلمان سے تو اس کا ضمیر بھی پوچھتا ہے اور گھر والے بھی پوچھتے ہیں اوراستاد بھی۔کافر آزاد ہے جو مرضی دیکھے جس طرح کی چاہے فلمیں دیکھ لے۔مسلمان پابند ہے کہ اللہ اوراس کے رسول جو اجازت دیں گے وہ چیزیں دیکھی جاسکتی ہیں۔تو کافر کم ازکم اس دنیا میں آزاد ہے،مسلمان پابند ہے اللہ اوراس کے رسول کا،اس کے مقابلے میں کافر آزاد ہے وہ دنیا میں عیش کرتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ آخرت آنے والی ہے۔قرآن بتاتا ہے،محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ مرنا ختم ہونے کا نام نہیں ہے مرنے کے بعد ایک اور زندگی ہے اس میں حساب کتاب ہوگا اس میں انسان نے جو کچھ اس دنیا میں کیا ہے اس کے مطابق فیصلے ہوجائیں گے .....تو وہاں اہل ایمان کامیاب ہوں گے جو یہاں اچھے کام کررہے ہیں۔زندگی میں مشکلات بھی آجاتی ہیں کوئی بات نہیں لیکن وہاں وہ کامیاب ہوجائیں گے۔جبکہ کافر یہاں آزاد ہے من مانی کررہا ہے جو دل میں آتا ہے کرتا ہے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے اسی کو آج کی جدید اصطلاح میں فلسفے کی اور مغربی کلچر کے لحاظ سے لبرل ازم اور روشن خیالی کہا جاتا ہے کہ ہر آدمی آزاد ہے وہ جو چاہے کرے،کھائے ، پیئے ۔بظاہر لگتا ہے کہ یہ بڑا ATTRACTIVE قسم کا عنوان یا اصطلاح ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک گمراہ کن اصطلاح ہے۔ ہر آدمی سارے کام خود نہیں سمجھ سکتا،بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے عقل مند نہیں جان سکتے بچے رنوجوان یا کم پڑھے لکھے لوگ کیا جانیں گے؟ تو ہر آدمی کو آزادی دے دینا کہ جو چاہو کرو یہ لبرل ازم ہے۔ یہ اسلام کے مخالف

اصطلاح ہے۔کافر تو لبرل ہیں ہی وہ جو مرضی کریں مسلمانوں میں سے کوئی ایسا کرے گا تو قیامت کے دن وہ بھی ناکام ہوجائے گا قیامت کے دن وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔مخلص مسلمان یہاں مشکلات کی زندگی گزارتے ہیں اور آخرت میں جنت میں جائیں گے کامیاب ہوجائیں گے۔ کافر یہاں آزاد ہیں من مانی کررہے ہیں کوئی پابندی قبول ہی نہیں کرتے نہ اللہ کے احکام کی نہ اللہ کے رسول کے احکام کی، نہ والدین کی، نہ استاد کی کوئی DISCIPLINE قبول ہی نہیں کرتے وہ یہاں آزاد ہیں آخرت میں وہ پکڑے جائیں گے۔

اس کے برعکس منافق۔قرآن مجید میں کہا گیا کہ جو آدمی منافق ہوتا ہے وہ دنیا میں بھی نقصان میں ہے اور آخرت میں بھی نقصان میں ہوگا خَسِرَ الدُّنیَا وَ الْاٰخِرَۃ۔ مسلمان دنیا میں تنگی اور تکلیف میں ہے آخرت میں تو کامیاب ہوگا، وہ دائمی زندگی ہے ہمیشہ کی زندگی ہے اصل کامیابی یہی ہے۔کافر چلو یہاں تو آزاد ہے آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔منافق جو دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ہے کلمہ پڑھتا ہے کبھی کبھی نماز بھی پڑھ لیتا ہے، سارے دوست اٹھ کے نماز پڑھ رہے ہیں استاد نے کہہ دیا چلو پڑھ لو۔دنیا میں منافق مسلمان شمار ہوتا ہے لیکن چونکہ دل سے کام نہیں کرتا شوق سے کام نہیں کرتا اس کے اندر کوئی جذبہ نہیں ہے لہٰذا آخرت میں اس کا انجام کافروں کے ساتھ ہوگا تو اس دنیا میں بھی مشکلات جو مسلمان ہونے کی وجہ سے ہیں اور آخرت میں کافروں کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔قرآن مجید میں سورۃ حج میں کہا گیا:

خَسِرَ الدُّنیَا وَ الْاٰخِرَۃ ذٰلِکَ ھُوَ الخُسرَانُ الْمُبِیْن O

''دنیا کا بھی خسارہ اور آخرت میں بھی، یہ سب سے بڑا خسارہ ہے''

مسلمان دنیا میں تنگی تکلیف میں رہتا ہے آخرت میں اچھا اجر پا جائے گا۔کافر دنیا میں عیش کرتا ہے آج کے کافر یہ ساری مغربی دنیا عیش کررہی ہے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے کہ کھاؤ کماؤ جو مرضی کرو لیکن قرآن کے مطابق جب مریں گے قبر میں جائیں گے دوبارہ زندہ ہوں گے آخرت میں جائیں گے تو وہاں سزا پائیں گے۔لیکن منافق دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ہے یہاں تنگی تکلیف کی زندگی گزار رہا ہے پابندیاں ہیں، دکھاوے کی ہی پابندیاں سہی کچھ نہ کچھ برداشت کرنی پڑ جاتی ہیں اور آخرت میں کافروں کے ساتھ انجام ہوگا جو بہت برا انجام ہے۔اسی لئے قرآن پاک میں

فرمایا گیا:اِنَّ الْـمُـنَافِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّار قیامت کے دن جب حساب کتاب ہو جائے گا اور نتیجہ نکل آئے گا تو منافق جہنم میں کافروں سے بھی بدتر درجے میں ہوں گے۔ سوچنا چاہئے کہ ایسا کیوں ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ ہم مسلمانوں سے متعلق ہے لہٰذا ہم سب کو سوچنا چاہئے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی کچھ منافق تھے (قرآن کہہ رہا ہے اس لیے ماننا پڑتا ہے) جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں تھے وہاں کوئی منافق نہیں تھا اس لئے کہ مکے میں جو بھی کوئی ایمان لاتا تھا کلمہ 'لاالٰہ الاّ اللّٰہ محمّدٌ رسُولُ اللّٰہ' پڑھتا تھا زبان سے اظہار کرتا تھا اس کو مار پڑتی تھی، گھر والے مخالف ہو جاتے، دوست، برادری، دوسرے بڑے لوگ اور سارا معاشرہ ہی مخالف ہو جاتا تھا اس کا بائیکاٹ ہو جاتا تھا، کوئی شخص یہ نہیں کرسکتا کہ جھوٹ بول کر مار کھائے، اس لیے وہاں کوئی منافق نہیں ہوتا تھا، جو سچا مسلمان ہوتا تھا جس کا دل گواہی دیتا تھا کہ بات یہی صحیح ہے وہی زبان سے بھی اس کا اقرار کرتا تھا کہ اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں قرآن اللہ کی کتاب ہے، وہ کہتا تھا جو ہوگا دیکھا جائے گا مار کھالیں گے بات یہی صحیح ہے کم از کم آخرت میں تو بات بن جائے گی۔ دل میں چاہے ایمان ہو لیکن جب تک زبان سے اقرار نہ کیا جائے، کلمہ شہادت نہ پڑھا جائے اُس وقت تک بندہ مسلمان نہیں کہلائے گا۔ مسلمان تب ہوگا کہ زبان سے علی الاعلان اقرار کرے۔ اسی کو کلمہ شہادت کہتے ہیں شہادت کے معنی ہوتے ہیں گواہی DECLARATION سب کے سامنے اظہار کرنا مجمع میں، اسمبلی میں، لوگوں کے سامنے تاکہ سب کو پتا چل جائے۔ کلمہ شہادت کے الفاظ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُـہٗ ''سب سن لو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں''۔ یہ DECLARATION ہوگا تو ایمان شمار ہوگا۔ ایمان دل میں ہو اور زبان سے نہ کہے وہ تو دنیا میں بھی کافر، آخرت میں بھی کوئی فائدہ نہیں۔ تو مکے میں لوگوں کے دل میں پہلے ایمان اور یقین پیدا ہوتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو باتیں کہہ رہے ہیں یہ بالکل ٹھیک ہیں یہی حقیقت ہے، یہ بت کچھ نہیں کر سکتے، ہمیں اچھے کام کرنے چاہئیں۔ ہوتے ہوتے وہ زبان سے گواہی دیتے تھے کہ بس اب مزید برداشت نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی بات پر ماریں کھا رہے ہوں اور حضرت ابوبکرؓ ماریں کھا رہے ہوں، حضرت عمرؓ ماریں کھا رہے ہوں ان کا بائیکاٹ

ہورہا ہواور ہم آج کل کے حساب سے آئس کریمیں اور دعوتیں اڑا رہے ہوں اور اپنے مزے سے بیٹھے ہوں، یوں تو نہیں ہوسکتا لہٰذا ہمیں بھی اس کا اعلان کر دینا چاہیے کہ میں بھی مسلمان ہو رہا ہوں۔ پہلے دل میں ایمان پیدا ہوتا تھا پھر آدمی اس کا اظہار کرتا تھا۔ ایمان مجمل کے آخر میں یہی الفاظ آتے ہیں: اقرار باللسان وتصدیق بالقلب یعنی میں ان باتوں کا زبان سے اقرار کرتا ہوں اور دل میں ان کو سچا جانتا ہوں۔

جو لوگ مکے میں ایمان لائے ان میں دل والا ایمان، تصدیق بالقلب پہلے پیدا ہوا اور اقرار باللسان بعد میں ہوا، دونوں جمع ہو گئے تو ایمان مکمل ہو گیا۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی، 40 سال کی عمر میں وحی کا آغاز ہوا، 13 سال مکے میں رہے اور پھر ہجرت فرمائی تو مدینے آ کر صورتِ حال بدل گئی۔ مدینے میں مقامی آبادی زیادہ تر مسلمان ہو گئی تھی، مہاجرین جو آئے تھے وہ بھی مسلمان تھے اور جو یہود کی تین برادریاں تھیں وہ ایمان تو نہیں لائیں لیکن یہودی پہچانتے تھے کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں وہ بظاہر علی الاعلان حضور ﷺ کی مخالفت نہیں کرتے تھے لہٰذا وہاں ایک طبقہ منافقوں کا پیدا ہو گیا وہاں کلمہ پڑھنے پر مار نہیں پڑتی تھی WELCOME کیا جاتا تھا جیسے آج کل کوئی شخص مسلمان ہو جائے۔ یہ پاکستان ہے یہاں تو اکثریت مسلمانوں کی ہے پھر بھی کبھی کبھار خبر مل جاتی ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہو گیا ہے لیکن امریکہ، برطانیہ، جاپان وہاں دنیا کے دیگر تمام مذاہب کی بہ نسبت اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اور وہاں جب کوئی مسلمان ہوتا ہے تو اکثر خلوص سے ہی ہوتے ہوں گے بہر حال اس کی دعوتیں ہوتی ہیں اور WELCOME کہا جاتا ہے، مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوتی ہے کندھوں پر بٹھایا جاتا ہے نعرے لگائے جاتے ہیں کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے ہمارا بھائی بن گیا ہے۔ تو مدینے میں اسی طرح کوئی شخص مسلمان ہوتا تھا تو خوشی کا اظہار کیا جاتا تھا لہٰذا وہاں ایک کیفیت پیدا ہو گئی کہ کوئی آدمی اوپر اوپر سے مسلمان ہو گیا دل سے مسلمان نہیں ہوا، اقرار باللسان اس نے سب کے سامنے کر تو دیا لیکن تصدیق بالقلب ہے کہ نہیں، یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس طرح کی ایک کیفیت پیدا ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ مدینے تشریف لائے تو ابتداء میں تو حالات کافی مشکل تھے؛ جنگ بدر، جنگ اُحد، جنگ خندق، پھر ایک وقت آیا کہ سن 8 ہجری میں مکہ فتح ہو گیا مکہ فتح ہوا تو پورے عرب

پر رسول اللہ ﷺ کی ایک طرح سے حکمرانی ہوگئی اور اسلام غالب ہوگیا۔ اس کے بعد ایسی صورتِ حال پیدا ہوئی کہ لوگ تیزی سے مسلمان ہونے لگ گئے، بہت سارے لوگ دائرۂ اسلام میں آ گئے۔ ایک صورت حال وہ تھی کہ مکے میں بڑی مشکل سے اور ہفتوں بعد کوئی شخص مسلمان ہوتا تھا، وحی کے آغاز کے بعد محمد ﷺ تیرہ سال مکے میں رہے اور دو سو کے قریب آدمی ہیں جنہوں نے مدینہ ہجرت کی ہے اور اَسّی آدمی حبشہ ہجرت کر گئے تھے کل تقریباً پونے تین سو آدمی تیرہ سال میں مسلمان ہوئے، دو مہینوں میں تین مسلمان تقریباً بنتے ہیں۔ آپ اس سے اندازہ کر لیں کہ کیا کیفیت تھی۔ جبکہ مدینے آ کر یہ کیفیت نہیں تھی اور فتح مکہ کے بعد یہ کیفیت بالکل بدل گئی۔

فتح مکہ کے بعد۔ (رسول اللہ ﷺ نے رمضان آٹھ ہجری میں مکہ فتح کیا) طائف میں جنگ ہوئی تو واپس مدینہ آتے آتے سن نو ہجری ہوگیا۔ سن نو ہجری عامُ الوفود کہلاتا ہے یعنی آس پاس کے پورے عرب سے وفود حضور ﷺ کے سامنے آ رہے تھے کہ ہم فلاں علاقے سے آئے ہیں ہم اعلان کر رہے ہیں کہ ہمارا سارا گاؤں مسلمان ہوگیا۔ کوئی ادھر سے آ رہا تھا کہ ہمارا سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا، ہماری ساری برادری مسلمان ہوگئی ہے، ہمارا سارا موضع مسلمان ہوگیا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ پانچ سو آدمیوں کا قبیلہ ہے ان میں سے پانچ آدمی آئے ہیں انہوں نے ابھی کوئی وعظ نہیں سنا کوئی تقریر نہیں سنی، حضور ﷺ کی رفاقت اختیار نہیں کی جو باقی ہیں انہوں نے کچھ بھی نہیں سنا اور آ کر اظہار کر رہے ہیں کہ ہم سب مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ ایمان ویسا تو نہیں ہے جیسا مکے والا ایمان ہے۔ لہٰذا یہاں وہ کیفیت پیدا ہوگئی کہ یہ جو زبان سے کلمہ پڑھ رہے ہیں کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ یہ دل سے کہہ رہے ہیں یا اوپر اوپر سے پڑھ رہے ہیں۔ اب دل کی کیفیّت دنیا میں کوئی جان ہی نہیں سکتا بہر حال یہ ایک مسئلہ ہے اللہ نے آزمائش رکھی ہے لہٰذا ایک سوالیہ نشان کھڑا ہوگیا کہ ان کے دل میں ایمان ہے کہ نہیں۔ ظاہر تو عمل ہی کرے گا۔ آج کل بھی اسی طرح ہے کہیں کچھ دوست فارغ اوقات میں بیٹھے ہوں اذان ہو جائے تو دو نماز کے لیے چلے جائیں گے باقی کمروں میں چلے جائیں گے تو جو مسجد گیا ہے اس کے بارے میں رائے بنے گی کہ اس نے اللہ کی بات سنی اور مان لی حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ سنا ہے اور مسجد میں چلا گیا ہے اور جو کمروں میں چلے گئے وہ پتہ نہیں کس مزاج کے

لوگ ہیں کہ اللہ کی بات سن کر وہ مسجد نہیں گئے ایک سوالیہ نشان تو ہے ہی کم از کم۔

جب مکہ فتح ہوا اور اگلا سال آیا ہے تو اس وقت بے شمار لوگ مسلمان ہو گئے۔ سورۂ نصر جو کہ 30 ویں پارے میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ O وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا O (جب اللہ کی مدد آ گئی اور مکہ فتح ہو گیا اور آپ نے دیکھا کہ لوگ اسلام میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں) یہ کیفیت فتح مکہ کے بعد کی ہے جو قرآن خود بیان کر رہا ہے۔ لیکن ان لوگوں کا ایمان لانا صاف ظاہر ہے مکے والوں کی طرح نہیں ہے۔ اس میں پتہ نہیں ہے کہ دل میں ایمان ہے کہ نہیں۔ اسی کو سورۂ حجرات (آیت 14) میں فرمایا گیا:

قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا

''یہ بدو لوگ (جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے) دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں''

قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا ''آپ ان سے کہہ دیں کہ تم ایمان نہیں لائے ہو'' حالانکہ کلمہ پڑھا ہے

وَلٰـكِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا ''یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں'' ہم نے کلمہ پڑھ لیا ہم نے اسلام کی مخالفت چھوڑ دی ہے، لڑائی چھوڑ دی ہے

وَلَمَّا یَدۡخُلِ الۡاِیۡمَانُ فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ ''اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل بھی نہیں ہوا''

نکلنا تو دور کی بات ہے ابھی داخل ہی نہیں ہوا۔ ایمان ہوتا کیا ہے تمہیں پتہ ہی نہیں ہے۔ ہاں اللہ نے بہت مہربانی کی کہ

وَاِنۡ تُطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ اگر اب بھی تم خلوص سے نماز، روزہ اور دین کے احکام اور سچ بولنا، اور اچھے کام کرنا اختیار کر لو تو

لَا یَلِتۡكُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِكُمۡ شَیۡـًٔا ''اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا''

تمہیں بدلہ عطا فرمائے گا ان کا اجر تمہارے کھاتے میں جمع ہوتا رہے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ O ''بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے اور رحیم ہے''

تو یہ کیفیت کہ ایمان ہے ہی نہیں ہاں مسلمان ہو گئے ہیں پھر بھی اعمال کرتے رہو تو بات بن جائے گی۔ آج مسلمان کی کچھ اسی طرح کی کیفیت ہے اور یہ ہر شخص بچے، بوڑھے اور جوان کا تجربہ ہے کہ زندگی میں کئی مرتبہ ایسے مواقع آتے ہیں کہ آدمی کی زبان پر کچھ اور ہوتا ہے اور دل میں کچھ اور

ہوتا ہے۔ بچہ سکول لیٹ پہنچے، استاد صاحب پوچھتے ہیں کہ لیٹ کیوں آئے تو جو اصل بات ہے وہ نہیں بتا سکتے اور کوئی بات بتا دیں گے یا سکول سے چھٹی ہو گئی بچہ گھر متوقع وقت سے آدھا گھنٹہ لیٹ آ گیا، گھر والے پوچھیں گے تو بھی اصل بات بتانی مشکل ہوتی ہے بتائی تو مار پڑے گی۔ تو یہ جو دل میں اور زبان پہ اور والی بات ہے اسی کو منافقت کہتے ہیں، تصدیق بالقلب اور ہے اور اقرار باللسان اور ہے۔ دنیا کے معاملات میں تو وہ جانے استاد جانے والدین جانیں بچے جانیں لیکن یہ ایک مزاج بن جاتا ہے یہ عادت بن جاتی ہے آج والدین کے سامنے، دوستوں کے سامنے، کل بڑے ہو کر کسی آفس میں کام کریں گے، تاجر بنیں گے، MNA بنیں گے، MPA بنیں گے وہاں بھی یہی چلے گا۔ جب چھوٹی باتوں میں 'دل میں اور ہے زبان پہ اور' ہے تو بڑے ہو کر بھی یہی کرے گا۔ یہ منافقت کا ایک مزاج ہے۔ دین کے بارے میں اگر یہی رویّہ ہو تو یہ بہت ہی مہلک (FATAL/ CRUCIAL) یعنی ہلاک کرنے والا ہے اس سے آدمی آخرت کے اعتبار سے بہت بڑے نقصان سے دوچار ہوتا ہے یہ منافقت ہے اور اس کی SERIOUSNESS کو واقعی سمجھنے کی کوشش کریں، یہ ہم سب کا مسئلہ ہے۔ اگر ہم اس کو مزاج بنا لیں گے تو دنیا میں شاید کامیاب ہو ہی جائیں شاید پیسہ بھی بہت آ جائے (منافقت سے ہی تو دنیا میں پیسہ جمع ہو رہا ہے) اور دنیا میں عزت بھی بہت ہو جائے، کوٹھی بھی بہت بڑی بن جائے مکان بھی بہت بڑا بن جائے آسائشیں بھی بہت جمع ہو جائیں لیکن آپ کے پاس CHARACTER نام کی چیز نہیں ہو گی اور آخرت میں تو بالکل فائدہ نہیں ہو گا۔ تو اس پر غور کرنے اور سوچنے کی ضرورت ہے کہ منافقت سے جان کیسے چھڑائی جائے اور یہ بہت اہم مسئلہ ہے اگر ہم اس سے جان نہیں چھڑائیں گے تو پھر یہ ساری زندگی ہمارے ساتھ لگا رہے گا اس سے توبہ کرنی چاہئے۔ بلند کردار والا وہی آدمی ہوتا ہے جس کے دل میں جو بات ہو زبان پر بھی وہی ہو چاہے لاکھ خوف ہو کہ سچی بات بتائیں گے تو جان چلی جائے گی لیکن انسانی کردار CHARACTER یہی ہے۔ ہمارے دین نے یہی سکھایا ہے کہ جو بات دل میں ہو وہ زبان پر ہونی چاہیے۔ علامہ اقبال کا ایک شعر ہے:

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

جتنے خوف ہوں، موت نظر آ رہی ہو لیکن جو بات دل میں ہو وہی زبان پر ہونی چاہیے اچھے اور باکردار لوگوں کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے۔ تبھی تو لوگ پھانسی پاتے رہے ہیں حق بات کہی اور اس وقت کا حکمران ناراض ہو گیا اور پھر سزا دے دی۔ ایمان کا تقاضا اور ہے اور آدمی اگر منافقت کا شکار ہو جائے (جو ایک روگ اور بیماری ہے) تو طرز عمل اور ہوتا ہے۔

قرآن مجید کے شروع میں ہی ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ''لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم بھی اللہ پر ایمان رکھتے ہیں آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں'' وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (8:02) ''وہ ایمان والے نہیں ہیں''۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ (10:02) ''ان کے دلوں میں ایک مرض ہے''۔ ایک بیماری ہے۔

ایک قسم کی بیماریاں وہ ہیں جن کا علاج یہ ڈاکٹر حضرات کرتے ہیں بخار، بلڈ پریشر، دل کا پرابلم، شوگر اور کینسر وغیرہ جو ہماری جسمانی بیماریاں کہلاتی ہیں ان کا علاج ان ڈاکٹر حضرات کے پاس ہے جو میڈیکل کے شعبے سے تعلق رکھتے ہیں یا حکیموں کے پاس ہے کہ وہ بھی یہی شعبہ ہے۔ لیکن ایک قسم کی بیماریاں وہ ہیں کہ جو روحانی بیماریاں کہلاتی ہیں جیسے قرآن میں کہا گیا کہ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ جو آدمی دل میں کچھ اور بات رکھتا ہے زبان سے کچھ اور کہہ رہا ہے اس کے دل میں ایک بیماری ہے اس کو ایک روگ ہے اب وہ کسی CT SCAN میں اور کسی ایسے ٹیسٹ میں نہیں آئے گا جو میڈیکل کے ٹیسٹ ہوتے ہیں لیکن ہے بیماری۔ اس کا علاج بھی ان ڈاکٹروں کے پاس نہیں ہے۔ اس کا علاج انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس ہے اس بیماری کا علاج قرآن مجید کے پاس ہے۔ یہ نفاق ایک مرض ہے اس کی حقیقت کو پہچاننا بہت ہی ضروری ہے۔

(جاری ہے)

ابراہیمی نصابِ تعلیم وتربیت
نبوی فہم وفراست کا شاہکار
انسانیت پر احسانِ عظیم

محمد رشید عمر

(بشکریہ ماہنامہ میثاق دسمبر 2015ء)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی تسلیم ورضا کے حوالے سے اس قدر کامل تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف ''خلت'' کا مقام عطا فرمایا بلکہ نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا۔ ازرُوئے الفاظِ قرآنی

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ (الممتحنہ:۴)

''یقیناً تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے ابراہیم اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ تھے، ان کے طرزِ عمل میں۔''

انسانی خدمات کے اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احسانات اس قدر ہیں کہ پوری انسانیت ہر وقت ان پر درود وسلام بھیجتی رہے تب بھی حق ادا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کو اپنے گھر کی تعمیر نو کی سعادت بخشی۔ اس گھر کو پوری انسانیت کے لئے اجتماع گاہ اور امن کی جگہ بنا دیا۔ آپ علیہ السلام ہی کے ذریعے تمام عبادتوں کی جامع عبادت، حج کا اعلان کروایا گیا اور اس منادی کو تمام انسانوں کے قلوب واذہان تک پہنچانے کا بندوبست اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا۔ یہ عبادت کیسے کرنی ہے؟ وہ مناسک بھی ذاتِ باری تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو سکھائے جن کا تسلسل قیامت تک جاری رہے گا۔ آپ علیہ السلام انسانیت کے ایسے محسن اعظم ہیں کہ آپ علیہ السلام کے بعد انسانی رُشد وہدایت کا سلسلہ بھی آپ کی اولاد میں جاری فرما دیا جو کسی اور نسل میں منتقل نہیں ہوا۔

آپ علیہ السلام نے خود بھی اور فرزندانِ ابراہیم نے بھی حتی المقدور اس فریضہ کی ادائیگی میں کسی کمی کوتاہی یا سستی کا مظاہرہ نہیں کیا، چاہے کتنے ہی کٹھن اور مشکل حالات اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ حضرات اسحاق، یعقوب، یوسف، داؤد، سلیمان، ایوب، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، یسع، یونس اور لوط علیہم السلام سب کے سب ابراہیمی کے چمن کے پھول ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعوتِ دین کا بے نظیر ملکہ عطا فرمایا تھا۔ مدمقابل چاہے قوت اقتدار کا حامل فرد ہو یا دلیل بازی میں پوری قوم مدمقابل آ کھڑی ہو، آپؑ نے دعوتِ حق کو اس طرح پیش فرمایا کہ سب اپنے گریبانوں میں جھانکنے پر مجبور ہو گئے، چاہے ہٹ دھرمی قبولِ حق میں رکاوٹ بن گئی ہو۔ ہدایتِ خداوندی انسان کی کتنی بڑی ضرورت ہے، اس کا ادراک کس قدر واضح تھا کہ آپ علیہ السلام اس ضمن میں اپنی دلی تمنا اپنے ربّ حضور بایں الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ یُزَكِّیۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ (البقرہ:۱۲۹)

''پروردگار! ان میں ایک ایسا رسول انہی میں سے مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات کی تلاوت کر کے سنائے اور انہیں کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو ہی غالب اور حکمت والا ہے''

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ صرف انسانیت کے لئے رہبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی تجویز پیش کی، بلکہ اس رہبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیمی و تربیتی نصاب کیا ہونا چاہیے، وہ بھی خود تجویز فرمایا۔ یہ نصاب آپؑ کی فہم و فراست کا شاہکار ہے۔ جو تین نکات پر مشتمل ہے:

1)۔ تلاوتِ آیات: کلام اللہ کی آیات کی تلاوت نہ صرف ایمان کی دلیل ہے بلکہ ایمان کی آبیاری کا سب سے بڑا منبع اور سرچشمہ ہے۔ بلاواسطہ اور بالواسطہ ایمان کی دعوت اس میں موجود ہے۔

2)۔ تعلیم کتاب و حکمت: اس سے مراد شریعت کے احکام کی تعلیم اور ان کے اندر انسانیت کے لئے پوشیدہ فوائد اور اسرار و رموز سے واقف کرانا ہے۔ جیسے ناحق قتل کرنیوالوں کو قصاص میں قتل کرنا شریعت کا حکم ہے۔ یہ نہ ظلم ہے نہ زیادتی نہ کوئی تخریبی عمل بلکہ اس میں انسانیت کی تعمیر اور بقائے حیات مضمر ہے۔ اسی طرح معاشرتی بے راہ روی، بے حیائی اور برائی کا علاج نماز کے شرعی

حکم پر عمل کرنے سے ہو جاتا ہے، وغیرھم۔ اس موضوع پر علمائے ربانی کی تصانیف موجود ہیں۔

3) تزکیہ: ذاتِ باری تعالیٰ نے نفس انسانی کی تخلیق اس طرح فرمائی ہے کہ ایک طرف اس میں خیر کے رجحانات ہیں تو دوسری طرف شر پسندی کا میلان اور اس کی رغبت ہے۔ کامیابی کا راز اس میں پوشیدہ ہے کہ نفس انسانی میں خیر پسندی کو پروان چڑھایا جائے۔ اسے اپنے مالک کی اطاعت گزاری کا خوگر بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ کاموں سے نفرت اس میں بھری جائے۔ حرام کاری اور بدکاری سے اسے بچایا جائے۔ یہی تزکیۂ نفس ہے۔ انسانی باطن امراضِ خبیثہ سے جتنا پاک ہوگا اتنا ہی وہ احکام خداوندی پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار اور بے چین ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تجویز کردہ گزارشات یعنی بعثت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت کے لئے تعلیمی و تربیتی نصاب دونوں باتیں قبول فرمالیں۔ چنانچہ آپؑ کے ہزاروں سال بعد جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت سے سرفراز فرمایا تو ابراہیمی نصاب تعلیم و تربیت کا بھی اعلان فرمادیا۔ یہ تعلیمی و تربیتی نصاب انہی تین نکات پر مشتمل تھا جن کی تجویز دعا کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں پیش کی تھی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی منظور کردہ ترتیب میں دوسرے نمبر پر تزکیہ کو رکھا گیا اور تیسرے نمبر پر تعلیم کتاب و حکمت کو۔ کیا اس کو ابراہیم علیہ السلام کی تجویز میں ترتیب کی غلطی کہا جاسکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں ان نکات کی ترتیب ان کے اپنے ایمان اور عمل کے احوال و ظروف کی روشنی میں تھی۔ آپؑ خود ایمان اور عمل میں یکسوئی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اور ایمان کے بعد شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہونا آپؑ کے لئے ذرا بھی گراں نہ تھا۔ مشکل سے مشکل مطالبے پر پورا اترنا بھی ان کے لئے بہت آسان تھا۔ آپؑ کو ایمان کی منازل تو ذات باری تعالیٰ نے دو طرح سے طے کروائیں: ایک، آپؑ کے اپنے طلب کرنے پر یعنی اللہ سے محبت اور خلت کے تعلق کی وجہ سے، جب اپنی آنکھوں سے قدرت کاملہ کی نشانی دیکھنے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے سامنے پرندوں کو زندہ کر کے دکھا دیا۔ دوسرے، باری تعالیٰ نے خود زمین و آسمان میں اپنی کارفرمائی آپؑ کے سامنے آشکارا فرما کر ایمان و یقین کی دولت سے آپؑ کو نوازا۔ اس لئے شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہونا آپؑ کے لئے آسان تھا۔ چنانچہ آپؑ نے اپنی تجویز میں ایمان

کے بعد تعلیم کتاب وحکمت کو دوسرے نمبر پر اور باطنی نورانیت کے لئے تزکیہ تیسرے نمبر پر رکھا۔

اللہ تعالیٰ نے منظور کردہ ترتیب میں ایمان کے بعد تزکیہ کو رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات علیم وخبیر اور حکیم ہے۔ آنے والی نسلوں کی خوبیوں اور خامیوں کو جاننے والی ہے۔ معاملہ حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت اور آپ کی اُمت کا تھا یعنی امت وسط، خیر امت اور قیامت تک کی انسانیت (امتِ دعوت) کا تھا۔ عَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا کے مصداق، ایمان کے اقرار کے بعد انسانوں کی باطنی صفائی کا تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ لوگوں کی اصلاح باطن کے بعد انہیں احکامِ شریعت کو قبول کر کے ان پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے۔ عمل کی آزمائشوں سے گزرنے کے لئے تزکیۂ نفس ضروری تھا۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے اس کو دوسرے نمبر پر رکھا تا کہ عمل کی راہ آسان ہو جائے۔ سیرۃُ النبی ﷺ سے یہ بات واضح ہے کہ تیرہ سالہ مکی زندگی میں شریعت کے احکام نازل نہیں کئے گئے۔ تلاوتِ آیات، انذار وتبشیر، نیکی اور بدی، حلال وحرام کی اہمیت اور ایمانیات کے مدلل مضامین بیان ہوتے رہے۔ ہجرت کے بعد معاملات کو شریعت کے تابع کیا گیا۔

تزکیۂ نفس سے غفلت ہی مسلمانوں کی قوت کے زوال کا سبب بنی۔ حکمران طبقہ جب نفسیاتی شرور کا شکار ہوا تو زوال کو عروج کی طرف موڑنا محال ہو گیا۔ متحدہ ہندوستان میں تحریک شہیدین کی ناکامی کے اسباب میں بھی یہ بات اہم قرار دی جاتی ہے کہ جب سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے سرحدی علاقوں میں شریعت کا نفاذ کیا تو خوانین سرحد آپ کے معاون بننے کی بجائے دشمن بن گئے۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ آگے بڑھ کر انگریزوں کو شکست دے کر ہندوستان میں دوبارہ سے اسلامی حکومت کی راہ ہموار ہوتی، یہ تحریک راستے میں ہی ناکامی سے دوچار ہو گئی۔ ان علاقوں میں شریعت کے نفاذ سے پہلے لوگوں کو اس طرف راغب کرنے کے لیے زمین ہموار نہیں کی گئی تھی۔ بس یہ سمجھ لیا گیا کہ یہ لوگ چونکہ مسلمان ہیں اس لئے احکام شریعت پر عمل پیرا ہوں گے اور ہمارا ساتھ دیں گے۔ لیکن جب نفاذ احکام کے دوران بیٹیوں کو شریعت کے مطابق حقوق اور حصہ دینے کی بات ہوئی تو مخالف ہو گئے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ذات باری تعالیٰ نے تلاوتِ آیات کے بعد تزکیہ اور اس کے بعد احکام شرعی کو سیکھنے سکھانے کی جو ترتیب رکھی ہے اس میں بڑی حکمت ہے۔ چنانچہ

اب نصابِ تعلیم وتربیت کواسی ترتیب سے اختیار کرنا ہوگا۔تزکیۂ نفس کے بغیر انسان اس کیفیت کا شکار رہتا ہے۔ ؎

جانتا ہوں ثوابِ طاعت وزہد　　پر طبیعت ادھر نہیں آتی!

اس نصاب تعلیم وتربیت کی نتیجہ خیزی اور تاثیر کے لئے قرآن حکیم کے مندرجہ ذیل مقامات ملاحظہ ہوں:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۱۵۱)

''جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے، تمہارا تزکیہ کرتا ہے، تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔''

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران:۱۶۴)

''اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا کہ جب انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے''

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ:۲)

''وہ ہی ہے جس نے اُمیوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے''

ان آیات پر دوبارہ غور کیجئے۔ضمائر پر غور کیجئے۔یہ بات واضح ہے کہ نبیٔ رحمت ﷺ خود اپنے اصحاب کی تربیت فرماتے۔آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب میں استاد اور شاگرد کا زندہ رابطہ موجود تھا۔آپ ﷺ کی ذاتِ پاک خود ایمان ویقین کا منبع وسرچشمہ ہے۔صرف ایک دفعہ آپ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہونے والا بھی ایمان ویقین اور اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بن

جاتا۔ آپ کی مجلس میں ایمان و یقین کی کیفیات کس درجہ کی ہوتی تھیں۔ اس سے متعلق حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے۔ حضرت حنظلہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں۔ آپؐ دوزخ اور جنت کے حالات ہم سے بیان کرتے ہیں تو گویا ہم یہ سب اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ پھر جب ہم لوٹ کے جاتے ہیں، عورتوں اور مال میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ہماری کیفیت بدل جاتی ہے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم اپنے اس حال پر قائم رہو جس حال میں میرے پاس سے اٹھ کر جاتے ہو تو بے شک تمہاری مجلسوں میں، تمہارے راستوں میں اور تمہارے بستروں میں فرشتے تم سے مصافحہ کریں۔ لیکن اے حنظلہ کوئی وقت کیسا ہوتا ہے اور کوئی وقت کیسا۔''

اس نصابِ تعلیم سے صحیح استفادہ کے لیے ضروری ہے کہ اللہ والوں کی مجلس میں شریک ہوا جائے اور استاد اور شاگرد کا صحبت کا زندہ رابطہ موجود ہو۔ آج لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم خود قرآن مجید پڑھ لیتے ہیں۔ ٹی وی سے سن لیتے ہیں۔ انٹرنیٹ سے پڑھ لیتے ہیں۔ خط و کتابت کورس سے سیکھ لیتے ہیں۔ اوپن یونیورسٹی سے پڑھ لیتے ہیں۔ دوسری سمعی و بصری سہولیات سے حاصل کر سکتے ہیں..... ٹھیک ہے، ان ذرائع سے معلومات کا ذخیرہ تو مل سکتا ہے، لیکن تربیت کا مقصد بالکل حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس نصاب کے ثمرات کا حصول فیضانِ صحبت سے ہی ممکن ہے۔ یہ نصاب تعلیم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تجویز کردہ، اللہ تعالیٰ کا منظور کردہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل فرمودہ ہے۔ اس لئے انسان کو انسان بنانے کا واحد اور کامیاب ذریعہ تعلیم و تربیت یہی نصاب ہے۔ تعلیم کے بڑے بڑے ادارے اور ان کی ڈگریاں اور اسناد انسان کو انسان نہیں بنا سکتیں۔ یہ فنون کے ادارے ہیں۔ ان کا فارغ التحصیل صدرِ مملکت بن کر یا وزیر تعلیم بن کر بھی انسان نہیں بن سکتا۔ یہ لارڈ میکالے کا ترتیب دیا ہوا نظامِ تعلیم و تربیت ہے جس کے نتیجے میں زیادہ تر منہ کالے اور سیاہ باطن افراد ہی جنم لے سکتے ہیں، لوگ انجینئر، ڈاکٹر اور اکاؤنٹینٹ بن سکتے ہیں..... لیکن اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے یہ لوگ اچھے انسان بھی بنیں تو پھر ضروری ہے کہ ان اداروں میں بھی ابراہیمی نصابِ تعلیم و تربیت کو نافذ کیا جائے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ.....(القرآن)

''اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تمہیں اور دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کا رویہ اپنایا.....''

عبدالرشید ارشد

قرآن حکیم بنی نوعِ انسان کی عملی زندگی کے لئے قابل عمل راہنمائی کی مکمل گائیڈ ہے۔ چشمِ بصیرت ساتھ دے تو ہمہ وقت اور ہمہ جہت راہنمائی کا سامان یہاں موجود ہے اور مزید یہ کہ انسان کو مزید سہولت فراہم کرتے نبی آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرمایا کہ عملی تشریح سے مزید آسانی پیدا ہو۔ یوں زندگی کا کوئی گوشہ تشنگی کا شکار نہیں رہا۔ ضروریاتِ زندگی میں اگر ترجیحاً دیکھا جائے تو اوّلیت عزت و وقار کو حاصل ہے تو دوسری اہم ضرورت لوازمِ زندگی مثلاً خوراک لباس ہے۔

خالقِ کائنات، اللہ ربّ العزت نے مذکورہ طرز کی ہر ضرورت ہر خواہش کی تکمیل و تسکین کے لئے نسخہ کیمیا بیان فرما دیا کہ

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ O (14-08)

''اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تمہیں اور دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کا رویہ اپنایا تو میرا عذاب بھی شدید ہے''۔

یہ محض اعلان نہیں بلکہ قرآنِ حکیم میں تاریخی حقیقت بیان یوں فرمائی گئی ہے:

''قوم سبا کے لئے ان کی بستیوں میں قدرتِ الٰہی کی نشانیاں تھیں اور ان کے دائیں بائیں باغات، لہلہاتی فصلیں تھیں (اور ہم نے ان سے کہا تھا) کھاؤ، پیو تم پر شکر واجب ہے۔ رہائش کے لیے عمدہ شہر ہے اور مہربان ربّ ہے۔ لیکن انہوں نے شکر ادا کرنے سے روگردانی کی تو ہم نے ان پر زوردار سیلاب بھیجا جو ان کے باغات اور

کھیتوں کو بہالے گیا۔ پھر ہم نے ان کے بدلے میں بیروں کی جھاڑیاں دیں اور کہا کہ یہ کھایا کرو‘‘ (سبا34,15/16)

قوم سبا کے کھیتوں کو مآرب ڈیم (سدمآرب، دنیا کا پہلا ڈیم) سیراب کرتا تھا جس سے ان کے باغات پھل دیتے اور کھیتیاں لہلہاتی تھیں اور جب قومِ سبا کے اجتماعی رویے (اَعْــرَضُوْا) یعنی اجتماعی ناشکری نے شکر کی راہ روک دی تو وہی ڈیم ٹوٹ گیا اور پانی کی بے قابو لہر اپنی تمام تر تیزی و تندی کے ساتھ سب کچھ بہالے گئی نہ وہاں باغات رہے اور نہ ہی لہلہاتی فصلیں۔ وہاں خاردار بیروں کی جھاڑیاں اُگیں یا دوسرا جھاڑ جھنکار جس پر گزر بسر کے لیے لوگ مجبور ہوئے۔ یہ تھی ناشکری کی سزا جس پر قرآن شاہد ہے۔

شکر کی اہمیت اور ناشکری کی سزا پر مذکورہ تفصیل نا قابل تردید ہے اس کسوٹی پر اب اگر کوئی بھی ذی شعور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو پرکھنا چاہے تو منفی یا مثبت نتائج ’دو اور دو چار‘ کی طرح اس کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں۔ مسئلہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ماضی و حال کا ہو یا تجربہ کرنے والے کا، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے بانی قائداعظم محمد علی جناح نے حصول وطن کے لئے اپنی سنگین نوعیت کی بیماری کو نظر انداز کرتے شب و روز قرآن و سنت کی بنیاد پر اُستوار وطن کے لئے سعی و جہد کی تھی اور مخلصانہ نصب العین کی لاج رکھتے قادرِ مطلق نے لیلۃ القدر یعنی 27 رمضان المبارک بمطابق 14/اگست 1947ء کو آزاد اسلامی جمہوریہ کا تحفہ اس کی جھولی میں ڈال دیا۔ قائداعظم قیامِ پاکستان کے فوراً بعد خالق حقیقی کے روبرو پیش ہو گئے اور شکر کے جذبہ سے نظامِ مملکت چلانے کی ذمہ داری جن کندھوں پر چھوڑ گئے وہ تصورِ شکر سے قطعاً نابلد تھے لہٰذا قیام وطن سے آج تک کا سفر ناشکری کا سفر ہے اور ناشکری کی شہادت 67 سالہ زندگی کا ہر دن فراہم کر رہا ہے کہ قوم کے رہبروں نے قومی مفادات اور قومی عزت و وقار امریکہ و یورپ کے پاس گروی رکھ دیا ہے۔ آدھا ملک ناشکری کے سبب ہاتھ سے گیا اور بنگلہ دیش بن گیا تو بقیہ نصف امریکہ و یورپ کی لبرل کالونی بنانے کی کوشش ہے۔

انفرادی سطح پر شکر گزاری کے کئی پہلو ہیں۔ ملک کے باشعور شہری ہوتے شکر گزاری یہ تھی اور یہ ہے کہ ہر فرد مقصد تخلیق وطن کو ہر لمحہ سامنے رکھتا، اور اپنی عملی زندگی کے ہر شعبہ کو خالق کے عطا کردہ نظام کے تحت گزارنے کی فکر کرتا، ایک سیاسی و معاشی اور اخلاقی اقدار کا حامل وطن قوم کا

مقدر ہوتا جہاں اس کی انفرادیت بھی شکر گزاری کا ثبوت پیش کرتی، اس کی نسل کا مستقبل ہمہ جہت محفوظ اور درخشاں ہوتا، جو آج قطعاً نہیں ہے۔

فرد کی شکر گزاری کا آسان راستہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے سے نچلی سطح پر زندگی گزارنے والے لاکھوں کو دیکھے کہ ان کا معیارِ زندگی کیا ہے اور ان کے مقابلے میں میرا اور میرے بچوں کا معیار کیا ہے؟ اس پہلو سے تجزیہ کرتے ہوئے بے اختیار اس کا سر شکر کے جذبہ سے خالق کے سامنے جھک جائے گا کہ اللہ تو نے مجھے لاکھوں سے بہتر وسائل زندگی اور عزت عطا فرمائے ہیں۔ میرا رواں رواں سپاس گزار ہے۔ اس احساسِ تشکّر کے ساتھ اس شخص کی زندگی میں تدریجاً نکھار پیدا ہوگا، آسودگی اس کا مقدر ہوگی۔

جب بھی کوئی فرد اپنے سے اونچے معیارِ زندگی والے فرد کو دیکھے گا تو ناشکری کی ضربِ شدید اس کا مقدر ہوگی۔ وہ ہر لمحہ بے چین و بے قرار رہے گا اور شاید کبھی کوئی شکوہ بھی خالق کے خلاف اس کی زبان پر آجائے۔ اس طرح کی صورت حال سے ابلیس فائدہ اٹھاتے ''معیار بلند کرنے'' کے بے شمار نسخے پیش کرتا ہے اور بندہ معیار کی طلب میں اندھا اس کی انگلی تھام کر غلط راستوں پر چل نکلتا ہے۔ ملازم ہو تو رشوت گھٹی میں سما جاتی ہے، دوکاندار و تاجر ہے تو مال تجارت میں ملاوٹ، تول میں کمی بیشی وطیرہ بن جاتا ہے، اعلیٰ سطح کا بیوروکریٹ ہے تو ملکی مفادات تک داؤ پر لگا دیتا ہے۔ یہ محض الزام تراشی نہیں ہے اس کے ٹھوس شواہد پاکستان کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ ناشکرا بندہ نہ اپنا رہتا ہے، نہ ملک وملت کا۔ اس کی دنیا بھی خراب اور عاقبت بھی خراب ہوتی ہے۔

شکر کی ادائیگی دو طرح سے دیکھنے میں آتی ہے۔ ایک شکر تو یوں ادا کیا جاتا ہے کہ کسی نے کسی دوسرے کو اپنے سے بہتر حالت میں دیکھا اپنے سے بہتر مکان کو دیکھا یا طرز رہائش اور جائیداد پر نظر ڈالی تو رشک یا حسد نے غلبہ پانا چاہا مگر فوراً ہی اندر کے انسان نے انگڑائی لی اور اپنی حالت پر رہتے شکر کرنے کی طرف متوجہ کیا تو کلمہ شکر ایک لمبے سانس اور ٹھنڈی آہ کے ساتھ زبان پر آیا کہ صد شکر ہے اسے ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

جب کھینچ کے آہ سرد کہتا ہے کوئی بندہ صد شکر ہے اللہ کا!
میں سوچنے لگتا ہوں شکر کیا اس نے یا طعنہ دیا رزّاقِ دو عالم کو!

شکر کی دوسری قسم حقیقی شکر ہے کہ بندہ اپنے سے نچلی سطح کو دیکھتا ہے مثلاً صبح گھر سے

باہر قدم رکھتا ہے تو گھر کے سامنے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے کوئی پاؤں سے ننگا گلے میں صرف قمیص بغیر بٹن پہنے گٹو پکڑے کباڑ میں فروخت کے لئے مختلف اشیاء اکٹھی کر رہا ہے۔ فوراً ہی گھر میں سکول کے لئے تیار ہوتے اپنے بچے ذہن کی لوح پر نمودار ہوتے ہیں تو بے ساختہ زبان پر الحمدللہ ربّ العالمین اور اللہ تیرا شکر ہے' جاری ہو جاتا ہے۔ جھونپڑوں میں رہنے والے خانہ بدوشوں کو دیکھتا ہے تو اپنا گھر سجا سجایا، آسائش کا ہر سامان لئے سامنے آجاتا ہے تو اندر کا انسان جاگ اٹھتا ہے اور دل کی گہرائی سے کلماتِ شکر ادا ہوتے ہیں اور اگر دیکھنے والی آنکھ حساس دل والے کی ہو تو اُس سے قطرے بھی آنکھ سے ٹپکتے ہیں۔

معروف حکایت ہے کہ ایک روز شیخ سعدی سخت گرم موسم میں ننگے پاؤں جا رہے تھے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اللہ مجھے جوتا نصیب نہیں ہے مگر خیال کے زبان پر آنے سے پہلے ہی سامنے دیکھا تو ایک لنگڑا شخص لاٹھی کے سہارے آرہا تھا فوراً وہیں گرم زمین پر سجدہ میں گر گئے کہ یاالٰہی! مجھے جوتا نہیں چاہئے میرے پاؤں سلامت ہیں۔ شکر کے جذبات زندہ ضمیر کے محتاج ہوتے ہیں اور ضمیر زندہ رہتا ہے خالق کے ساتھ مضبوط و مستحکم تعلق کے ساتھ اور خالق سے پکا ناطہ جڑتا ہے فرامین رسالت مآب ﷺ پر لبیک کہنے سے یعنی قرآن وسنت کو شعور و بصیرت سے پڑھنے اور پھر اسے عملی زندگی کے لئے راہنما تسلیم کر لینے سے۔

بندہ اگر خالق کی عنایات کا منکر یا کم از کم ان سے لاپرواہ نہ ہو تو اگر وہ بڑے گھر میں رہتا ہے تو چھوٹے گھر کو دیکھ کر، اگر کار میں ہے تو موٹر سائیکل والے کو دیکھ کر، اگر وہ موٹر سائیکل پر ہے تو سائیکل والے کو دیکھ کر اور اگر وہ سائیکل پر ہے تو پیدال چلنے والے کو دیکھ کر خالق کے اپنے اوپر انعام کو دیکھتے کلمہ شکر زبان سے نکالتا ہے اور وہ جو لمحہ لمحہ قدم قدم شکر ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا دست رحمت ان کے سروں پر ہوتا ہے۔ شکر کا انعام ضروری نہیں کہ ہر وقت مادی مفادات کی صورت میں ہی ہو یہ بندے کے قلب و ذہن پر سکینت کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے جو مادی فوائد کے نسبت کئی گنا زیادہ قیمتی ثابت ہوتا ہے۔

امریکہ کی سرکاری مہر

رضی الدین سیّد۔ کراچی

امریکہ نے عرصۂ دراز سے اپنی حکومتوں کے لیے ایک سرکاری مہر طے کی ہے جسے وہ ''گرانڈ سیل'' کہتے ہیں۔ تمام اہم قومی و بین الاقوامی دستاویزات پر یہ حکومتیں یہی مہر ثبت کرتی ہیں۔ اس Grand Seal کے بارے میں دو نقطہ ہائے نظر ہیں۔ ایک سرکاری اور دوسرا غیر سرکاری۔ نیچے ہم دونوں نقطہ ہائے نظر کا ایک جائزہ اپنے قارئین کے علم میں اضافے کے لیے پیش کرتے ہیں۔

(ا) امریکی حکومت کا سرکاری موقف سرکاری تشریحات کے مطابق اُس مہر کو ایک ایکٹ کے ذریعے ستمبر ۱۷۸۹ کو امریکہ کی سرکاری مہر قرار دیا گیا تھا جس کا نگراں ہر دور میں امریکی وزیر مملکت (Secretary of State) ہوتا ہے۔ ابتدا سے آج تک اس مہر کے مشتملات میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔ مہر کے دو رخ ہیں' اگلا اور پچھلا۔ لیکن دستاویزات پر صرف سامنے والا (Obverse) حصہ ہی لگایا جاتا ہے۔

مُہر کے سامنے والے حصہ پر ایک عقاب کی تصویر ہے جس کے سر پر امریکہ کی ان

ابتدائی ۱۳ ریاستوں کو ۱۳ ستاروں کی شکل میں دکھایا گیا ہے جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں شامل ہوئی تھیں۔ عقاب کے سینے پر ایک چوکور دھاری دار ڈھال کی شکل ہے جو مذکورہ ۱۳ ریاستوں کے اتحاد کی علامت ہے۔ عقاب کے دائیں پنجے میں زیتون کی ایک شاخ اور بائیں پنجے میں تیروں کا ایک گچھا پکڑا ہوا دکھایا گیا ہے جس کا مطلب مہر ڈیزائن کرنے والوں کے مطابق ''جنگ اور امن'' دونوں کی طاقت کا اظہار ہے (یعنی امریکہ کے ہاتھوں میں امن اور جنگ دونوں کی طاقتیں موجود ہیں) عقاب کی چونچ میں دائیں بائیں ایک تتلی سی پٹی لہرا رہی ہے جس میں کسی غیر معروف زبان میں UNUM اور EPLURIBUS لکھا ہوا ہے جس کا مطلب ''بہت سوں میں سے محض ایک'' ہے۔ سیل کے عقبی رخ CONVERSE پر درمیان میں ایک نامکمل اہرام کی تصویر دی ہوئی ہے، جس کے اوپری حصے میں ایک تکون آنکھ روشنی کے ہالے میں دکھائی گئی ہے اور اس کے دونوں جانب دائرے کے اندر غیر معروف زبان میں ایک طرف ANNUIT اور دوسری طرف COEPTIS لکھا ہوا ہے۔ اہرام کا مطلب طاقت اور مضبوطی ہے جبکہ غیر مبہم الفاظ سے مراد ہے کہ ''خدا نے ہمارے اقراء کی تائید کی ہے۔'' اہرام کی بنیاد میں ایک اور پٹی مندرجہ ذیل حروف لئے ہوئے نمایاں طور پر نظر آتی ہے

NOVUS ORDO SECLORUM

جس کا مطلب ''زمانوں کا نیا نظام'' ہے۔ جبکہ اہرام کی بنیاد پر MDCCLXXVI رومی اعداد لکھے ہوئے ہیں۔ انہیں اگر موجودہ گنتی میں دوبارہ تحریر کیا جائے تو ان سے سال ۱۷۷۶ء برآمد ہوتا ہے جو امریکہ کا سالِ آزادی ہے۔ (حوالہ COLLIER'S ENCYCLOPEDIA U.S.A جلد نمبر 11)

(ب) محققین کا ذاتی موقف یہ ایک فری میسنری نشان ہے جسے یہودیوں نے امریکہ کے ہر 1 ڈالر کے نوٹ پر چھاپ دیا ہے۔ اسکا پورا ڈیزائن فری میسنری کی علامات اور اس کے فلسفے پر مبنی ہے۔ اس کے ایک طرف عقاب کی تصویر ہے جو بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں ایک قبیلے کا قومی نشان تھا۔ عقاب کے دائیں بازو پر ۳۲ پر کھلے ہوئے ہیں جو قدیم اسکاٹش فری میسنری کے ۳۲ درجوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ بائیں بازو میں ۳۳ پر کھلے ہوئے ہیں جو انہی اسکاٹش سلسلے کے ۳۳ درجوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ پہلا سلسلہ امریکہ کے شمالی حصوں میں جبکہ دوسرا سلسلہ امریکہ کے

جنوبی حصوں میں پھیلا ہوا ہے۔فری میسنری نے گویا اس طرح واضح کر دیا ہے کہ اس نے امریکہ کو شمالاً وجنوباً ہر طرف سے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔عقاب کی دم کے ۹ پَر ہیں جو ایک دوسرے فری میسنری سلسلے کے درجوں کو ظاہر کرتے ہیں۔عقاب کے سر پر موجود ۱۳ ستارے اس طرح سے یکجا کیے گئے ہیں کہ اگر انہیں طریقے سے باہم ملایا جائے تو یہ چھ کونوں والا ستارہ داؤدی بن جاتے ہیں۔

یہ تیرہ ستارے وہ تیرہ امریکی نوآبادیات ہیں جنہوں نے انگلستان کے خلاف ۱۷۷۶ء میں آزادی کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔مہر پر درج لاطینی حروف Epribus unum کا مطلب ''فری میسنری برادری'' ہے۔مہر کے دوسری جانب (عقبی حصے میں) جو آنکھ نظر آتی ہے وہ ہر فری میسن ہال کی علامتی آنکھ ہے۔اسے وہ خدا کی آنکھ یا All Seeing Eye کہتے ہیں۔تاہم اسے دجالی آنکھ بھی کہا جا سکتا ہے۔آنکھ کے نیچے ایک نمبر تک میل شدہ اہرام Pyramid دکھایا گیا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر ابھی باقی ہے۔تکون کے اوپری حصے میں غیر معروف الفاظ annuit coeptis لکھے ہوئے ہیں جس کا مطلب کامیابی سے ہمکناری ہے۔چنانچہ دنیا دیکھ رہی ہے کہ صہیونی منصوبہ ساز اپنے منصوبوں کو نہایت کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچا رہے ہیں۔مزید الفاظ novus ordo seclorum کے معنی ''نیو ورلڈ آرڈر'' ہے یعنی صیہونی منصوبہ ساز ہی دنیا کو نیا عالمی نظام دے سکتے ہیں۔

تکون کی بنیاد پر mdccl xxvi لکھا ہے جس کو جدید گنتی میں ۱۷۷۶ء کہا جا سکتا ہے۔دراصل اسی سال ''آرڈر آف دی الیومیناتی'' (روشن ضمیر لوگوں کا نظام) قائم کیا گیا تھا۔ویسے تو یہ عالمی نظام ۱۷۷۶ء ہی سے خفیہ طور پر جاری وساری ہے لیکن کھل کر اس کا اعلان جارج بش سینئر نے ۱۹۹۰ء میں کیا تھا۔(حوالہ کتب Dajjal (E) Pawns in the game اور فری میسنری از بشیر احمد)

امریکہ کی ''گرانڈ سیل'' کے سرکاری وغیر سرکاری موقف دونوں ہمارے سامنے ہیں۔تاہم غیر سرکاری موقف زیادہ واضح اور قابل قبول نظر آتا ہے۔ورنہ مہر پر غیر معروف زبان میں عبارتیں تحریر کرنے اور مہر کو ہر ڈالر پر ثبت کرنے کیا ضرورت تھی؟

دین و مذہب اور سیکولرزم

محمد فہیم
تیمر گرہ دیر پائین

اس مضمون میں دین و مذہب اور سیکولرزم سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔اس مضمون کی مکمل تشریح اور ان میں سے ہر ایک کی تفصیلات کے لیے تو ایک پوری کتاب کی ضرورت ہوگی تاہم اس مختصر مضمون میں ان اہم اصطلاحات کے متعلق بنیادی مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ اسلام ''دین'' ہے۔ بدقسمتی سے اس کے تصور کو محدود کر کے اسے نرا مذہب سمجھا گیا ہے۔جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلام صرف مذہب نہیں بلکہ یہ دین ہے۔بحیثیت دین اسلام نہ صرف یہ کہ انسانوں کی انفرادی زندگی سے متعلق ہے بلکہ یہ اجتماعی زندگی کو بھی مکمل طور پر اپنے احاطے میں لے لیتا ہے۔اس صورت میں سمجھا جائے گا کہ اسلام بحیثیت دین 'غالب' اور موجود ہے۔لیکن اگر اجتماعی زندگی کسی اور 'ازم' کسی اور ضابطہ حیات کے تحت چل رہی ہو تو سمجھئے کہ اسلام دین کی صورت میں نہیں بلکہ نیچے اُتر کر صرف 'مذہب' کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ مذہب کا دائرہ انسان کی زندگی تک بایں معنی محدود ہے کہ یہ انسان کے عقیدہ (Dogma) مراسم عبودیت (Rituals) اور چند سماجی رسومات (Social customs & Traditions) کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔مختلف مذاہب کے عقائد، مراسم عبودیت اور رسومات ایک دوسرے سے مختلف اور علیحدہ شناخت رکھتی ہیں۔مثلاً مسلمان ایک خدا کو مانتے ہیں وہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا اپنے طریقے پر اہتمام کرتے ہیں۔شادی بیاہ پر نکاح اور تدفین مردہ کے وقت جنازہ پڑھتے ہیں۔اسی طرح عیسائی، ہندو، سکھ، پارسی وغیرہ اپنے مذاہب کے مطابق ان رسومات

کو ادا کرتے ہیں۔ اب دیکھیں کسی بھی مسلمان ملک (مثلاً پاکستان) میں بیک وقت بے شمار مذاہب رہ سکتے ہیں لیکن کسی بھی ایک ملک میں بلکہ پوری دنیا میں بیک وقت دو یا دو سے زیادہ 'ادیان' (دین کی جمع) باہم نہیں رہ سکتے ہیں۔ جو بھی غالب ہوگا وہ دین شمار ہوگا اور باقی جو مغلوب ہوں وہ صرف مذہب ہی کی حیثیت میں رہ رہے ہوں گے۔

اصل اور حقیقی دین کی رو سے انفرادی اور اجتماعی دونوں شعبوں میں صرف اور صرف اسلام ہی کی بالادستی مطلوب ہے۔ جس طرح ایک فرد اگر اللہ کے حکم کی نافرمانی پر اللہ کے عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے اسی طرح اجتماعیت کو بھی اللہ کے حکم کا پابند گردانا گیا ہے۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ زمانے کی جو ارتقا ہو چکی ہے اس میں اجتماعیت کے اوپر ''ریاست'' ایک ایسا ادارہ بن چکا ہے جس کے جال میں ہر فرد پھنسا اور بندھا ہوا ہے۔ اب اگر ''ریاست'' یا سٹیٹ اپنے آپ کو اللہ کے حکم سے آزاد تصور کرے گی تو یہ ہی اجتماعی بغاوت ہوگی۔ لہٰذا افراد کا فرض بن جاتا ہے کہ وہ ریاست کے کل پرزوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی مطابق چلائیں۔ انفرادی طور پر جس طرح مذہب کے تین شعبے ہم نے اوپر گنوائے ہیں اسی طرح اجتماعیت کے بھی تین ہی بڑے واضح گوشے ہیں جو آج کے سپیشلائزن کے دور میں آگے مزید چھوٹے شعبہ جات میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ہم یہاں تین بڑے شعبوں کا ذکر کرتے ہیں یعنی i۔ معاشرتی شعبہ ii۔ اقتصادی شعبہ اور iii۔ سیاسی شعبہ

اب اگر کسی بھی جغرافیائی حدود (مثلاً پاکستان) کے اندر رہنے والی قوم کے ان 3+3 (انفرادی + اجتماعی) شعبوں پر دین اسلام کا مکمل کنٹرول ہو اور وہ قرآن وسنت کے مطابق چل رہے ہوں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت دین غالب اور نافذ ہے۔ بصورت دیگر اگر اسلام صرف عقائد، مراسم مذہبی اور سماجی رسومات تک محدود ہو تو پھر یہ واضح ہے کہ اسلام یہاں بطور دین نہیں بلکہ بحیثیت ایک مذہب موجود ہے۔ جب معاشرتی زندگی میں اباحیت، عریانیت اور مادر پدر آزادی، جنسی بے راہ روی رواں دواں ہوں، جب اقتصادی نظام اور معیشت سود، جوا اور سٹہ بازی پر استوار ہو، سیاست مغربی جمہوریت کے زیر کنٹرول ہو تو کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام بحیثیت دین غالب اور موجود ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم (حزبُ اللہ) کے ساتھ مل کر غلبہ دین کا عظیم کام کر کے دکھایا۔ اب اگر دین اس معنی میں قائم نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر تو میں اور

آپ ایک سیکولر مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں یعنی ہمارا چلت پھرت ایک بے خدا نظام کے تحت چل رہا ہے۔ یہی سیکولرزم ہے۔ سیکولرزم لامذہبیت کو نہیں کہتے بلکہ اس کے صحیح معنی یہی ہیں کہ ''لادینیت اور ہمہ مذہبیت'' یعنی میں اور آپ مذہب کی حد تک اسلام پر عمل پیرا ہیں۔ الحمدللہ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج پر جاتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں لیکن ہمارے اوپر دین تو کسی اور کا چل رہا ہے۔ بدقسمتی سے اسلام کو بحیثیت دین غالب کرنے اور بالادست بنانے کے لیے خود ''اہل دین'' بھی متفکر نہیں ہیں۔ بقولِ اقبال

؎ مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کردو مزاجِ خانقاہی میں اسے

وہ اپنی مذہبیت کے ساتھ خوش اور مطمئن ہیں۔ مغرب اور اسلام دشمن قوتیں یہی تو چاہتی ہیں کہ مذہب کی حد تک آپ جو بھی رہنا چاہتے ہیں رہیں ہندو، سکھ عیسائی، مسلمان یا کوئی اور۔ ہاں آپ اسلام بحیثیت دین نہیں اپنا سکتے۔ مذہب کی تعلیم دیتے رہیں کوئی پروا نہیں لیکن آپ اسلام کی بحیثیت دین تبلیغ نہیں کر سکتے۔ یہی سیکولرزم ہے۔ اس ہمہ مذہب اور لادینیت کا جھنڈا آج دنیا پر لہرا رہا ہے۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم اس حوالہ سے سوچیں۔ قرآن کو کھول کر سمجھنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کریں کہ آپ تو مبلغ دین اور اقامت دین کے عظیم کام کے لیے دنیا میں بھیج دیے گئے تھے۔ دیکھئے سورۃ التوبہ آیت 33، سورۃ الفتح آیت 28 اور سورۃ الصّف آیت 9۔ ختم نبوت کے صدقے حضور نبی اکرم ﷺ نے اُمت کو جو فریضہ سونپ دیا ہے اسے اسی دینی تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اوپر اجمالاً اور مختصراً بحث سے یہ بات مبرہن ہو کر سامنے آتی ہے کہ منطقی تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اپنا وہ اصل فریضہ سمجھے اور اس کے لیے کمر باندھ لے کہ وہ ایک جامع تصور دین کا حامل ہے اور اسے **عبادت ربّ، شہادت علی الناس اور اقامت دین** کی جدوجہد میں اپنی استعداد کی حد تک جدوجہد کرنا ہے اور اس پر وہ مکلّف ہے۔

؎ بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است (اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

ایک پاکیزہ محفل مشاعرہ

مولانا عبد الماجد دریا آبادی

(بشکریہ: ماہنامہ القاسم، نوشہرہ، جنوری 2016ء)

ایک مختصر سی، لیکن صاف ستھری محفل مشاعرہ لکھنؤ میں آج سے کوئی پچاس ساٹھ سال قبل آراستہ ہے، طرح کی زمین ہے ''ازل سے''، ''کل سے''۔ ایک شاعر کے سامنے جب شمع آئی تو مطلع ارشاد ہوا..... ؎

الجھا نہ مرے آج کا دامن کبھی کل سے　　مانگی نہ مدد دل نے مرے طولِ امل سے

اور داد کی آوازیں ہر طرف سے آنے لگیں، کلام میں بانکپن تھا ہی اس غضب کا، اور اس شعر پر تو محفل لوٹ لوٹ گئی..... ؎

ان کی نگہ مست ہے لبریز معانی　　ملتی ہوئی تاثیر میں حافظؔ کی غزل سے

نگاہِ یار کی مستی بہتوں نے باندھی ہے اور شراب سے اسے تشبیہ بارہا دی جا چکی ہے، حافظ کی غزل تک اس کا رتبہ پہنچا دینا، یہ اسی شاعر کی جدت طبع کا کرشمہ ہے، اور عجب کیا!! جو خود خواجہ حافظؔ کی روح بھی یہ اچھوتی داد سن کر وجد میں آ گئی ہو، اور جب اس شعر کی نوبت آئی..... ؎

حکم آیا خموشی کا تو بس حشر تلک چپ　　ہیبت تری پیغام کی ظاہر ہے اجل سے

اور معاً بعد اس شعر کی..... ؎

درجہ متحیر کا ہے بے خود سے فرو تر　　ہے روح کی امید ترقی کی اجل سے

تو جو اہل دل تھے، ان کی آنکھوں میں کچھ بوندیں چھلک آئیں، اور اہل معرفت کی زبان پر

بے ساختہ مرحبا اور سبحان اللہ کے نعرے جاری ہو گئے، لیکن شاعر نے جب اسی غزل کے ایک شعر کا یہ مصرعہ پڑھا کہ: ع قرآن ہے شاہد کہ خدا حسن سے خوش ہے

تو سامعین میں ایک بڑے گہرے مذہبی شخص، خان بہادر منشی اطہر علی کاکوروی مرحوم موجود تھے، ان کے تیور پر کچھ بل سے پڑنے لگے کہ لیجیے مذہب سے بھی شوخی ہونے لگی! حساس شاعر معاً بھانپ گیا، اور جھٹ پہلے مصرعہ کو مکرر پڑھ کر پورا شعر یوں سنایا.....

ے قرآن ہے شاہد کہ خدا حسن سے خوش ہے
کس حسن سے یہ بھی تو سنو حسن عمل سے

شعر کا زبان سے ادا ہونا تھا کہ داد تحسین کی بارش ہر طرف سے ہونے لگی، اور خان بہادر نے تو بے اختیار اٹھ کر شاعر کو گلے لگا لیا، ان شاعر صاحب کو آپ نے پہچانا؟

''یہی تھے سیّد اکبر حسین اکبر''

(انشائے ماجد:356)(تعمیر حیات:نومبر 2015)

حسنِ ازلی کی حقیت

حسن کی تعریف میں تقریر کیا
یہ قلم، قرطاس کیا، تحریر کیا
کرسکے کوئی نہ تجسیم جمال
مورتی کیا، عکس کیا ، تصویر کیا

(اشک گل، ق ۳۶، ص ۳۸۵)

محمد فیاض عادل فاروقی

مقدمۂ سیرۃ

ساجد محمود مسلم

جناب ساجد محمود مسلم صاحب ایک صاحب قلم و قرطاس اور ملت کا درد رکھنے والے معلّم ہیں۔ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی سیرت پر ایک کتاب ان کی عقیدت کا مظہر ہے، اس غیر مطبوعہ کتاب میں سے مقدمہ سیرت کے نام سے ایک باب نذر قارئین ہے۔ (ادارہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ اِقْرَارًا بِهٖ وَ تَوْحِیْدًا۔ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اُرْسِلَ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا۔ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ:

نورِ مجسم، ہادیٔ کامل، امام المرسلین، خاتم النّبیین، رحمت للعالمین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃ والسَّلام بِعَدَدِ النُّجُوم کی سیرتِ منورہ کے بارے لکھتے وقت دل کانپ رہا ہے اور قلم لرز رہا ہے کہ یہ بارِ عظیم مجھ جیسا بندۂ اثیم اُٹھا بھی پائے گا کہ نہیں۔ جس ذاتِ اقدس کی سیرت ربّ عظیم نے بیان کی ہے اس کی سیرت بیان کرنا فکرِ بشر کے بس میں نہیں ؎

خوشبو ہے دو عالم میں تری اے گل چیدہ　　کس منہ سے بیاں ہوں ترے اوصافِ حمیدہ
تجھ سا کوئی آیا ہے، نہ آئے گا جہاں میں　　دیتا ہے گواہی یہی عالم کا جریدہ

تاہم عصرِ حاضر کے گھمبیر فتنوں کی آگ بجھانے کے لیے سحابِ رحمت کی موسلا دھار

بارش کی اشد ضرورت ہے۔ رحمت للعالمین ﷺ کی سیرتِ مطہرہ سے رہنمائی حاصل کیے بغیر بھانت بھانت کے فتنوں کی سرکوبی ممکن نہیں۔ آج ہر شخص اَن گنت مسائل سے دوچار ہے، ان سب مسائل کا شافی و کامل حل محبوبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ منورہ کے سوا اور کہیں میسر نہیں، کیونکہ محض آپ ہی وہ ہادیٔ کامل ہیں جنہوں نے زندگی کے ہر چھوٹے بڑے مسئلہ میں انسانیت کو مکمل رہنمائی فراہم کی ہے۔ بقولِ شاعر ؎

نبی کی سیرت عالم فروز کا پرتو　　فروغِ حسن تمدن، تجلّیٔ تہذیب
نظامِ دہر کہ فرسودہ و پریشاں تھا　　مرے حضورؐ نے بخشی اسے نئی ترتیب
مرے حضورؐ نے اَسرارِ زیست سمجھائے　　مرے حضورؐ نے چمکائے آگہی کے نصیب

راقم الحروف نے اوّلاً اپنی ذات کی اصلاح اور ثانیاً معاشرے کی صلاح وفلاح کے لیے نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ منورہ کے انوار چارسو پھیلانے کا یہ بارِ عظیم اپنے کندھوں پر لینے کی جسارت کی ہے۔ اس تمام تر کاوش وکوشش میں ہر لحظہ یہ خیال دامن گیر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ممدوح ومحبوب ﷺ کی سیرت بیان کرتے وقت ان کا وہ ادب واحترام ہمہ وقت ملحوظ رہے، جو ہر مؤمن ومسلم پر واجب ہے۔

شوق ونیاز وعجز کے سانچے میں ڈھل کے آ　　یہ کوچۂ حبیب ہے پلکوں سے چل کے آ
سوز و تپش سخن میں اگر چاہتا ہے تو　　عشق نبیؐ کی آگ سے تائب پگھل کے آ

پیشتر اس سے کہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت مفصل بیان کی جائے، چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، جو سیرت النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سمجھنے کے لیے لازم ہیں۔

سیرت کا لغوی مطلب: سیرت کا لغوی مطلب سنت، طریقہ اور ہیئت ہے۔ جیسا کہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصریؒ نے لسان العرب میں بیان کیا ہے۔(1)

قرآن حکیم میں صرف ایک مقام پر سورۃ طٰہٰ میں لفظ سیرت وارد ہوا ہے اور یہاں بھی یہ اپنے لغوی معنیٰ ہیئت وحلیہ میں استعمال ہوا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وادیٔ مقدس طویٰ میں تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے براہِ راست کلام فرمایا اور آپ کو اپنا عصا زمین پر ڈالنے کا حکم فرمایا تو زمین پر ڈالتے ہی عصا اژدھا بن گیا، تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قدرے

خائف پا کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى (طٰہٰ:۲۰)

''فرمایا اسے پکڑ لیجئے اور ہرگز مت گھبرایئے ہم اسے ابھی پہلی ہیئت میں لوٹا دیتے ہیں''

سیرت کا اصطلاحی مفہوم: سیرت کا اصطلاحی مفہوم قرآن حکیم کی درج ذیل آیت سے ماخوذ ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱)

''یقیناً رسول اللہ کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے''

رسولِ اکرم ﷺ کی ساری زندگی، ولادت تا وفات، ہمارے لیے بہترین کامل نمونہ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ساری زندگی کے احوال بیان کرنے کا نام سیرتُ الرسول ہے۔ آپ ﷺ کی ساری زندگی کو اس لیے نمونہ قرار دیا گیا ہے کہ آپ ظہورِ نبوت کے قبل ہر عمر میں اللہ کی معصیت سے محفوظ رہے اور ظہورِ نبوت کے بعد ہر قسم کی معصیت سے بچے رہے بلکہ ایک ایک لمحہ اطاعتِ الٰہی میں صرف کیا۔ (سبحان اللہ)

نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ، اطاعتِ الٰہی کی ایسی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اطاعت رسول کو اطاعتِ الٰہی کا مظہر قرار دے دیا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی''

پس جو شخص بھی اطاعتِ الٰہی کا ارادہ رکھتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی سیرتِ منورہ کا علم حاصل کرے۔

اے سرورِ دیں نور ہے یکسر تری سیرت　　اقدار کو کرتی ہے منور تری سیرت
زیبائی افکار کا مصدر ترے انوار　　رعنائی کردار کا جوہر تری سیرت
ہر راہ پہ مرا ہاتھ لیے ہاتھ میں اپنے　　چلتی ہے مرے ساتھ برابر تری سیرت

علماء فرماتے ہیں کہ ایک مؤمن کا اپنے بارے جاننا اتنا ضروری نہیں جتنا محمد رسول اللہ ﷺ کا جاننا ضروری ہے(2)۔ یہ تو ان خوش نصیبوں کے لیے ہے جو محمد عربی ﷺ کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں، رہے وہ لوگ جو ابھی ایمان سے محروم ہیں، وہ جب رحمت للعالمین کی

سیرتِ منورہ کا مطالعہ کریں گے تو نہ صرف یہ جان پائیں گے کہ اسلام کی ابتدا کیسے ہوئی اور کن ارتقائی مراحل سے گزر کر اسے عروج حاصل ہوا، بلکہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ محمد عربی ﷺ فی الواقع تمام انسانوں کے محسن اعظم اور مصلح اعظم ہیں۔ آپ ﷺ کا پیغام تمام انسانوں کی بقا کا پیغام ہے، جس میں انسانیت کے ہر سلگتے مسئلے کا قابل عمل حل موجود ہے، تب انہیں اس معجزہ کی حقیقت سے بھی آگاہی ہوگی کہ ایک فردِ بشر کی زندگی کے حالات اس قدر تفصیل اور جامعیت کے ساتھ تاریخ کے اوراق میں کیونکر محفوظ ہیں، جبکہ دوسرے کسی انسان کے سوانح اس معیار و تفصیل کے ساتھ میسر نہیں۔ عام انسان تو درکنار کسی دوسرے نبی یا صاحب سلطنت بادشاہ کے مفصل حالات بھی تلاش کے باوجود دستیاب نہیں ہوتے۔ یقیناً یہ نبوتِ محمدی ﷺ کا ایسا ناقابل انکار معجزہ ہے جو قیامت تک آپ کی نبوت کی شہادت دیتا رہے گا۔ معاملہ محض سوانح کی تفصیلات کا نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کے ان کے درجہ صحت کا ہے۔ جس صحت کے ساتھ محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ کے مفصل حالات آج محفوظ ہیں، کسی نبی مرسل یا بادشاہ یا کسی ذی وجاہت ہستی کی زندگی کا ایک بھی مفصل واقعہ اس صحت کے ساتھ ان کے پیروکاروں کے پاس محفوظ نہیں۔ یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ اس کتاب کا ہر باب اس دعوے کی صداقت کی گواہی دے گا۔

سیرت کے مآخذ

سیرت کے اصل مأخذ تین ہیں:

۱۔ قرآن حکیم ۲۔ حدیث رسول ﷺ ۳۔ تاریخ اسلام

1۔ قرآنِ حکیم

قرآن حکیم متواتر اللفظ ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہے۔ علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ آج ہمارے درمیان جو قرآن موجود ہے، یہ بعینہٖ وہی ہے جو سیّدنا محمد عربی ﷺ پر وحی کیا گیا۔ آپ ﷺ نے خود اپنی نگرانی میں قرآن حکیم لکھوایا، کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس قرآن مکمل صورت میں لکھا ہوا موجود تھا۔ جب نبی ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو قرآن کے متعدد نسخے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس محفوظ تھے۔ عرب میں کاغذ کمیاب تھا، لہٰذا قرآن کے اجزا کو چمڑے کے پارچوں، اونٹ کے شانے کی ہڈیوں، پتھر کی تختیوں وغیرہ پر لکھا گیا تھا، نبی ﷺ کے خلیفہ اوّل سیّدنا

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے سے موجود نسخوں سے دیکھ کر ایک معیاری نسخہ تیار کروایا جو سارے کا سارا کاغذ پر لکھا گیا تھا، اس کے بعد خلیفہ ثالث سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس نسخے کی مزید نقول تیار کر کے تمام عالم اسلام میں بھیج دی گئیں۔ کتابت کے ساتھ ساتھ، قرآن کی حفاظت کا ایک دوسرا ذریعہ بھی استعمال کیا گیا جو کہ حفظ قرآن کی شکل میں تھا، سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن حکیم اپنے حافظے میں محفوظ کر لیا تھا، کتابت قرآن اور حفظ قرآن کا یہ سلسلہ پشت در پشت چلتا رہا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حفاظِ قرآن کی تعداد بڑھتی چلی گئی، تا آنکہ قرآن ہم تک پہنچ گیا، حفاظت قرآن کا یہ سلسلہ آج بھی اسی طرح جاری وساری ہے جیسے پچھلے ادوار میں جاری رہا(3)۔ قرآن کا قطعی الثبوت ہونا ایسی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ بہت سے انصاف پسند غیر مسلم بھی اس کی قطعیت (AUTHENTICITY) کے معترف ہیں(4)۔

یہ متواتر اللفظ اور قطعی الثبوت قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت منورہ کا اوّلین مأخذ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن یکبارگی نازل نہیں ہوا بلکہ آپ کو جیسے حالات پیش آتے ان کی مناسبت سے قرآن کی آیات نازل ہوتیں، چنانچہ تقریباً تئیس سال کے عرصہ میں قرآن کا نزول مکمل ہوا۔ یہی سبب ہے کہ قرآن میں جا بجا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو ہدایات دی گئی ہیں، آپ کی دعوت بیان کی گئی ہے اور اس دعوت کے ردّعمل میں کفار کا طرزِ عمل مفصل بیان ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت جن ارتقائی مراحل سے گزری، ان سب کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔ کفار کے ساتھ آپ کے مجادلوں، مباہلوں، مجاہدوں اور معاہدوں کا ذکر قرآن میں محفوظ ہے۔ لہٰذا قرآن، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا سب سے زیادہ مستند مأخذ ہے۔ قرآن کے مأخذِ سیرت ہونے کی حقیقت مولانا ابوالکلام آزاد نے بہت خوبصورت پیرایہ میں بیان کی ہے، انہی کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

> ''لوگوں نے حیات وسیرتِ طیبہ ختم المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس حیثیت سے بہت کم نظر ڈالی ہے کہ اگر روایات ودفاترِ تاریخی سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف قرآن حکیم ہی کو سامنے رکھا جائے، تو آپ کی سیرت وحیات پر کیسی روشنی پڑتی ہے؟ اور جس طرح قرآن اپنی کسی بات میں اپنے غیر کا محتاج نہیں، اسی طرح اپنے حامل ومبلغ کے وجود و

حیات کے بیان میں بھی خارج کا محتاج ہے یا نہیں! اصحابِ سیر و محدثین کرام نے فضائل و مدائح منصوصہ قرآنیہ کے تو باب باندھے ہیں، مثلاً قاضی عیاض نے ''شفا'' کے متعدد ابواب میں قرآن حکیم کی آیات متعلق فضائل و مدائح جمع کی ہیں، لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے، آج تک کبھی اس کی کوشش نہیں کی گئی کہ صرف قرآن حکیم میں دائرۂ استناد واخذ محدود رکھ کر ایک کتاب سیرت میں مرتب کی جائے۔''(5)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''چنانچہ دہلی سے آ کر میں نے کچھ وقت اس میں صرف کیا اور ایک مستقل سیرتِ نبویہ مجرد قرآن حکیم سے ماخوذ و مستنبط شروع کر دی، جوں جوں قدم آگے بڑھتا گیا، نئے نئے دروازے کھلتے گئے، اور اُمید و توقع سے کہیں زیادہ کامیابی ہوئی، گو یہ حقیقت پہلے سے پیش نظر تھی، حتی کہ اس بارے میں بڑا ذخیرہ آیات کا ذہن میں مستحضر تھا، لیکن یہ بات تو کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں گزری تھی کہ جس کتاب کو بظاہر جا بجا ذکرِ احکام و مسائل و قصصِ گزشتگان سے مملو پاتے ہیں، اس میں اس قدر وافر ذخیرہ خاص شخصِ رسالت کے حالات و وقائع کا بھی موجود ہوگا۔ کتاب کے مرتب ہو جانے کے بعد جو دیکھا تو ایک عجیب عالم نظر آیا۔ حیات و سیرت کا کوئی ضروری ٹکڑا ایسا نہیں ہے جس کے لیے قرآن میں ایک سے زیادہ آیات نہ ہوں۔ اور پھر نہ صرف آنحضرت ﷺ ہی کی سیرت بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات و خصائص کا بھی کافی ذخیرہ موجود ملا۔ صحابہ کی جماعت درسگاہِ تزکیہ و تعلیم نبوت سے نکلی ہوئی مؤمنون الاوّلون کی اوّلین کی جماعت تھی۔ وَيُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ اس لیے ان کے سوانح و ایام بھی سیرت نبویہ ہی کے مختلف اجزا ہیں، بلکہ ہدایاتِ قرآنی و حکمت نبوی کے عملی و مجسم ثمرات ہونے کے لحاظ سے دلائل و آیاتِ نبوت کے حکم میں داخل۔ پس یقیناً آپ کی سیرت مکمل نہ ہوتی اگر ان کے حالات بھی قرآن میں پوری شرح و تفصیل سے نہ ملتے۔ اس ٹکڑے کو دیکھ کر مجھ کو آخری مرتبہ یقین اس بارے میں حاصل ہو گیا کہ اگر دنیا سے تاریخ اسلام کی ساری کتابیں

معدوم ہو جائیں اور دنیا نے جو کچھ چھٹی صدی عیسوی کے ایک ظہورِ دعوت کی نسبت سنا ہے، وہ سب کچھ بھلا دے اور صرف قرآن ہی دنیا میں باقی رہے، جب بھی آنحضرت ﷺ کی شخصیت مقدسہ اور آپ کی سیرت وحیات کے براہین وشواہد مٹ نہیں سکتے۔ صرف ایک قرآن ہی اس کے لیے بس کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا کو بتلا دے کہ اس کا لانے والا کون تھا؟ کیسے زمانے میں آیا؟ کس ملک میں پیدا ہوا؟ اس کے خویش و بیگانہ کیسے تھے؟ قوم و مرز بوم کا کیا حال تھا؟ اس نے کیسی زندگی بسر کی؟ اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا اور دنیا نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس کی باہر کی زندگی کیسی تھی اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا؟ اس کے دن کیسے بسر ہوتے تھے اور راتیں کن کاموں میں کٹتی تھیں؟ اس نے کتنی عمر پائی؟ کون کون سے اہم واقعات وحوادث پیش آئے؟ پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا تو دنیا اور دنیا والوں کو کس حال میں چھوڑ گیا؟ اس نے جب دنیا پر پہلی نظر ڈالی تو دنیا کا کیا حال تھا؟ اور جب واپسیں نظرِ وداع ڈالی تو وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی؟۔ غرض کہ ایک وجود و مقاصدِ وجود اور اعلامِ صداقت وعظمت کے لیے اس کے وقائع و ما یتعلّق بہا و ما ینا سب ذالک میں سے جن جن باتوں کی ضرورت ہو سکتی ہے، وہ سب کچھ صرف قرآن ہی کی زبانی دنیا معلوم کر سکتی ہے اور اس بارے میں قرآن اپنے سے باہر کا ابتداً محتاج نہیں۔ اور پھر یہ سب کچھ از قبیل اشارات و مرموزات نہیں ہے جیسا کہ اربابِ نکات و دقائق کا طریق استنباط ہے، بلکہ صاف صاف اور کھلا کھلا بیان جو فقہا کے طریق استنباط اشارۃ النص سے کہیں زیادہ واضح و ظاہر ہے۔ اور اگر رموز و اشارات و تلمیحات کا طریق اختیار کیا جائے تو پھر خاص خاص آیتوں کو چھانٹنے کی کیا ضرورت؟ پورے قرآن میں بجز اس ایک ذکر کے اور کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔'' (6)

مولانا ابوالکلام کے زمانہ میں ہی دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پوتے اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیب (1897-1987) نے مذکورہ طرز پر کتابِ سیرت تحریر فرمائی، وہ اپنے اس کتاب ''آفتابِ نبوت'' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

''اس لیے اس یادداشت میں محض سیرت کے پہلوؤں کا پیش کر دینا یا ان کی تفصیلات کھول دینا موضوع تحریر نہیں کہ یہ پیش کش سیرت کی ہر کتاب میں بالتفصیل موجود ہے، بلکہ ان پہلوؤں کو قرآن حکیم میں سے نکلتا ہوا دکھلانا اور ایک ہی مختصر آیت کو ساری سیرت کا ماخذ نمایاں کرنا اس یادداشت کا موضوع ہے۔''(7)

یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو اُم المومنین، زوجۂ رسول، سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی تھی، جب آپ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق (سیرت و کردار) کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن (8) ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تو قرآن ہے''

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان کے بعد اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بنیادی واوّلین مأخذ قرآن حکیم ہے۔ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک متحرک قرآن تھے، لہٰذا جس نے آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ قرآن حکیم کا مطالعہ کرے۔ سیرت کی ہر وہ کتاب نامکمل اور ادھوری ہے جس کے ہر باب میں قرآنی آیات لازمی جزو کے طور پر شامل نہ ہو۔

2۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سیرت کا دوسرا مصدر و مأخذ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

حدیث کا لغوی مطلب: حدیث کا مادہ ح د ث ہے، اس میں نو پید ہونے، خبر دینے، واقع ہونے اور گفتگو کرنے کا معنی پایا جاتا ہے۔ اسی لیے کسی نئی بات نئی چیز کو حدیث کہتے ہیں(9)۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں: ''ہر وہ بات جو انسان تک سماع یا وحی کے ذریعے پہنچے اسے حدیث کہا جاتا ہے۔''(10)

حدیث کا اصطلاحی مطلب: ظہورِ نبوت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور اقرار علی الفعل کو حدیث رسول کہا جاتا ہے(11)۔ اگرچہ تبعاً اس میں قبل نبوت کے احوال و محاسن بھی شامل ہیں تاہم اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ظہورِ نبوت کے بعد پیش کیا اس پر ہی ایمان لانا اور عمل کرنا فرض ہے(12)۔ (جاری ہے)

خصوصی اشاعت: حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے

اہل علم کے تأثرات

1۔ محمد طفیل کوہاٹی مدیر: سہ ماہی المظاہر، کوہاٹ

آپ کا گراں قدر مجلّہ ''حکمت بالغہ'' سہ ماہی ''المظاہر'' کے تبادلے میں تسلسل کے ساتھ موصول ہو رہا ہے۔ امید ہے ''المظاہر'' بھی مل رہا ہوگا۔ بندہ اس پر آنحضور کا ممنون ہے۔

حکمت بالغہ کا تازہ شمارہ (نومبر 2015ء) خصوصی اشاعت بعنوان ''حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے'' موصول ہوا، آنجناب کا ٹھوس، صائب اور معتدل طرز نہ صرف قابل تحسین بلکہ ہم خوردوں کے لیے قابل تقلید ہے۔ یقیناً یہ کاوش وطن خداداد میں اسلامی تشخص کی بحالی کے لئے فرد و تحریک کی بھرپور معاونت کرے گی اور کرنے کے ''اصل کام'' کی طرف سنگ میل ثابت ہوگی، آپ نے اس عمدہ اور مؤثر کاوش سے اہل ذوق اور اہل درد پر احسان کیا ہے، اس پر مبارک باد قبول کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ قبول فرمائیں۔ اور نونہالان و معمارانِ وطن کو ان سے مستفید ہونے کی توفیق بخشیں۔

2۔ محمد سمیع۔ کراچی

آپ نے حکمت بالغہ کا تازہ شمارہ اس حکم کے ساتھ ارسال فرمایا کہ میں اس شمارے پر اپنی رائے ظاہر کروں۔ میں کیا اور میری رائے کیا کیونکہ من آنم کہ من دانم۔ تاہم آپ کے حکم کی

تعمیل تو کرنی ہی ہے۔

علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ ع سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را۔ یہ تو علامہ نے اُمت کے حوالے سے فرمایا تھا شاید آپ نے یہ فریضہ ہم پاکستانیوں کے لئے سرانجام دینے کے ٹھان رکھی ہے جبکہ ہمارا یہ حال ہے کہ حضور ﷺ سے رشتہ یا تو نعت گوئی، نعت خوانی یا درودوسلام تک رہ گیا ہے یا دعوت واقامت کی سرگرمیوں تک۔ ایک طرف محبت میں غلو ہے تو دوسری طرف اُس محبت کی کمی ہے جو ہمیں اتباعِ رسول ﷺ پر آمادہ کر کے اللہ کا محبوب بنادے۔ علامہ اقبال سے عوام کا تعلق سید ضمیر جعفری کے اس شعر کے مطابق ہو گیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا ؎ کبھی سال میں اک مجلس اقبال کرتے ہیں

پھر اس کے بعد جو کرتے ہیں وہ اقبال کرتے ہیں

اور خواص میں مقررین اور خطباء اور دانشور حضرات ان کے اشعار سے اپنی گفتگو کو مزین کرتے ہیں اور ہاں یاد آیا ہمارے قائدین بھی ہیں جو یومِ اقبال کے موقع پر پیغامات جاری کر کے ان سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ علامہ پاکستان کو کس قسم کی ریاست کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔

قصہ مختصر یہ کہ قوم نے علامہ اقبال کے خواب کو دیوانے کا خواب بنا رکھا ہے۔ جہاں تک نظریۂ پاکستان کا تعلق ہے، نئی نسل تو شاید اس سے واقف ہی نہیں۔ دانشور حضرات تو قراردادِ مقاصد کو مذہبی انتہا پسندی کی بنیاد قرار دے کر نظریۂ پاکستان کی نفی میں مصروف ہیں اور سیکولرزم کے یہ دلدادہ حضرات قراردادِ مقاصد کو قائداعظم کی 11 اگست 1947ء کی تقریر سے بدلنے کے لئے کوشاں ہیں۔ البتہ اس خاص نمبر میں قائداعظم کے حوالے سے تشنگی رہی ہے جنہوں نے نظریۂ پاکستان کی بنیاد پر مملکت خداداد پاکستان کے بانی ہونے کی سعادت حاصل کی۔ اس میں شامل مضامین پر تبصرہ میرا مقام نہیں۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور اخروی فلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین

3۔ الحاج ظہور الحسن قادری۔ کمالیہ

ماہ نومبر 2015ء کا شمارہ ''حکمت بالغہ'' خصوصی جسے ''حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان

ہے'' کا نام دیا گیا ہے، ایک گراں قدر علمی سرمایہ ہے اس عظیم الشان اشاعت کے تمام مندرجہ جات اتنے اہم ہیں کہ اس پر تبصرہ کرنا میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ ایسی کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی جس سے تخلیق پاکستان، تعمیر پاکستان، مقاصد پاکستان اور نظریۂ پاکستان پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ اس بے مثال اشاعت میں اتنے موضوع سمو دیے گئے ہیں کہ ہر موضوع اپنی جگہ ایک تبصرے کا مرہونِ منّت ہے۔

آپ جس خلوص، محنت اور استقامت کے ساتھ خدمت دینِ اسلام اور پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی، فلاحی مملکت بنانے کے لئے تن من دھن کے ساتھ محوِ عمل ہیں یہ اہل فکر و نظر کے ایک عظیم علمی سرمایہ ہے اور مشعلِ راہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس میں اور برکت عطا فرمائے اور اہل ایمان آپ کی ان علمی کاوشوں سے تادیر فیضیاب ہوتے رہیں۔ آمین ثم آمین!

4۔ **محمد اسد شاہ** لیکچرر شعبہ اسلامیات، چناب کالج جھنگ

دینِ مبین کی خدمت کے حوالے سے آپ کی ذاتی اور انجمن خدام القرآن جھنگ کی خدمات کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اللہ ان مساعی جمیلہ کو قبولیت کا شرف بخشے۔ زبان و بیان اور قلم کے ذریعے آپ جس جہاد میں مصروف ہیں، ماہنامہ حکمت بالغہ بھی اس کا ایک گواہ ہے۔ نومبر 2015ء میں خصوصی اشاعت ''حکمت اقبال ہی نظریہ پاکستان ہے'' کے عنوان سے سامنے آئی۔ اس خصوصی نمبر کے مطالعہ کے بعد میرے ذہن میں جو پہلا خیال تھا، وہ یہ تھا کہ آئندہ برسوں میں نظریۂ پاکستان اور حضرت اقبال کے حوالے سے تحقیق کرنے والوں کے لئے، یہ ایک بہت بڑی ''آسانی'' اور ''ریفرنس بک'' کا کام بھی دے گا۔ پاکستان، کرۂ ارض پر، دینِ مصطفیٰ ﷺ کے نام پر قیام پذیر ہونے والی مملکت کا نام ہے۔ دورِ حاضر میں، جس طرح بہت سے نام نہاد سکالرز، قیام پاکستان کے حوالے سے نسل نو کو گمراہ کرنے میں مگن ہیں اور یہ باور کروانے میں مشغول ہیں کہ یہ ملک معاشی یا سیاسی یا بعض دیگر نظریات کی وجہ سے قائم کرنا پڑا۔ وہاں اُمت مسلمہ کی موجودہ نسل کو حقائق سے آگاہ کرنے کے لئے آپ جیسے مخلص سکالرز کا وجود اللہ کی نعمتوں میں سے ہے۔ اللہ کریم آپ کو اور ہم سب کو دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے اور اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

5۔ ساجد محمود مسلم، پرنسپل اسلامک سائنٹفک سکول جھنگ

ماہنامہ حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت ''حکمت اقبال ہی نظریہ پاکستان ہے'' پیش کرنے پر مبارک باد قبول فرمائیں۔ یہ خصوصی اشاعت جہاں کروڑوں پاکستانیوں کے دلوں کی آواز ہے، وہیں ایک مبرہن تاریخی حقیقت بھی ہے، جسے مغربی استعمار اپنے گماشتوں کے ذریعے مسخ کرنے کے درپے ہیں۔

کہنے کو تو یہ ایک ماہنامہ کا خاص نمبر ہے، لیکن اس کی تدوین ایک مستقل کتاب کی طرز پر کی گئی ہے، جسے دس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اوّل میں علامہ اقبالؒ کے فکر اسلامی پر بالعموم اور ان کے تصور ریاست پر بالخصوص مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ پچاس صفحات پر مشتمل اس باب میں اقبال کی شاعری اور نثر پاروں کے ذریعہ ان کے فکر پر استدلال کیا گیا ہے، جس کے لئے یقیناً مدیر مسئول نے فکر اقبال کا عمیق مطالعہ کیا ہے۔ تاہم مسئلہ ملکیت زمین پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

باب دوم میں حیات انسانی اور تمدن کے ارتقا پر بالغ نظری سے بحث کی گئی ہے، جسے اقبال کی مشہور نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کی ترجمانی کہا جاسکتا ہے۔ سفاک حکمرانوں اور بادشاہوں کے ان ہتھکنڈوں کو کھول کر بیان کیا گیا ہے جن کے ذریعے انہوں نے انسانوں کو اپنا غلام بنائے رکھا اور ان کے شعور و ادراک اور اظہار رائے پر پہرے بٹھائے رکھے۔ نیز ظلم کے خلاف آواز اٹھانے والوں کی کاوشوں اور ان کے انجام یعنی قتلِ ناحق پر قوی ارشادات کئے گئے ہیں۔

باب سوم میں امام المرسلین سیّدنا محمد عربی ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر اجمالاً روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ باب جہاں موقع و محل (ربیع الاوّل) کی مناسبت سے موزوں ہے وہیں اس کا بنیادی مقصد اس اسوۂ حسنہ کی طرف رہنمائی ہے جو کہ اقبال کے نزدیک انسانیت کے لئے رول ماڈل ہے۔ بقول اقبال: ؎

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے　　دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

بلاشبہ اقبال کے نزدیک رسول اکرم ﷺ کا طرزِ زندگی اور خلافت نبوت ہی آج کے حکمرانوں کے لئے قابل تقلید مثال و نمونہ ہے، اس کے بغیر معاشرے میں عدل و انصاف اور

مساوات کا رواج ممکن نہیں۔ ؎

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی چنگیزی

باب چہارم میں نبی اکرم ﷺ کے انقلابی منہج، آپ کے طرزِ حکمرانی آپ کے قدم بقدم چلنے والے خلفائے راشدین کے طرزِ حکومت کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ گویا اس باب میں اقبال کے ان اشعار کی ترجمانی کی گئی ہے، جو انہوں نے جوابِ شکوہ میں رب ذوالجلال کی جانب سے لکھے ہیں: ؎

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری

ما سوا اللہ کے آگ ہے تکبیر تیری تو مسلمان ہو تو تقدیر ہے تدبیر تیری

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح و قلم تیرے ہیں

باب پنجم میں بنی اسماعیل (امت مسلمہ) اور بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد ان کا مختصر تقابل پیش کیا گیا ہے۔ صہیونیت کے مخصوص شاطرانہ طرزِ فکر اور اس کے نتیجے میں بننے والی ریاست اسرائیل کے خدوخال و عزائم کا بے لاگ تجزیہ بھی اسی باب کا حصہ ہے۔ یہ باب بھی فکرِ اقبال کی ترجمانی میں لکھا گیا ہے۔ ؎

ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیب جوانمرگ شاید ہوں کلیسا کے، یہودی متولی

باب ششم میں زوالِ امت کے بعد احیائے اسلام کے لئے بپا ہونے والی مجددانہ تحریکات مثلاً مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، شاہ اسماعیل شہید، شیخ الہند محمود حسن، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد الیاس، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی اور علامہ اقبال کی مساعی جمیلہ کا اجمالی تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ بیسویں صدی میں وجود میں آنے والی دو چار نظریاتی ریاستوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ چار نظریاتی ریاستیں سعودی عرب، افغانستان، پاکستان اور ایران ہیں۔

باب ہفتم میں مذکورہ بالا نظریاتی ریاستوں کے موجودہ حالات کی بنیاد پر یہ رائے دی گئی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ریاست ایک ایسی فلاحی اسلامی ریاست قرار نہیں دی جا سکتی جسے دنیا کے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا جا سکے کہ یہ ہے ایک حقیقی اسلامی ریاست۔ ؎

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

باب ہشتم کا عنوان اگرچہ ''پس چہ باید کرد۔ اب کیا کرنا چاہئے'' قائم کیا گیا ہے، تاہم

اس سوال کا کوئی دوٹوک جواب احقر کو اس باب میں نہیں مل سکا۔ البتہ اجمالاً یہ ضرور بیان کیا گیا ہے کہ خیرالقرون اور بعد کے ادوار میں اہلِ اسلام نے نئے مسائل کا کیسے مقابلہ کیا اور اس ضمن میں کس طرح اسلامی مکاتبِ فکر وجود میں آئے۔ آخر پر صرف یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ پاکستان کے قیام کا خواب کیسے پورا ہوا؟

باب نہم میں اس سوال کا واضح جواب دیا گیا ہے جو باب ہشتم میں کیا گیا تھا۔ باب نہم کا عنوان ہے: ''نظریۂ پاکستان کے صحیح ادراک کے لئے مصورِ پاکستان علامہ اقبال کی فکر کی طرف لوٹنا ہی واحد حل ہے۔'' حکمت اقبال یعنی نظریۂ پاکستان کی طرف رجوع سے نہ صرف پاکستان کے اہم اور بنیادی مسائل حل ہو سکتے ہیں بلکہ پاکستان ایک حقیقی اسلامی ریاست میں ڈھل سکتا ہے۔ اس ضمن میں دو کام تجویز کئے گئے ہیں:

1۔ تمام ممکنہ ذرائع ابلاغ استعمال کرتے ہوئے کرپشن کے خلاف مسلسل و مؤثر مہم چلانا اور لوگوں کی اس قدر ذہن سازی کرنا کہ انہیں کرپشن سے نفرت ہو جائے۔

2۔ حکمت اقبال (نظریۂ پاکستان) کی عوامی سطح پر نشر و اشاعت تاکہ ہر پاکستانی وطنِ عزیز کو جدید فلاحی اسلامی ریاست بنانے کی جدوجہد میں عملاً شریک ہو جائے۔

سن اے غافل صدا میری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں

باب دہم میں حکمت اقبال پر اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ باب درحقیقت باب اوّل کا تتمہ ہے۔ یہاں واضح کیا گیا ہے کہ اقبال فقیر حکمران یعنی درویش صفت حکمران پاکستان میں برسراقتدار دیکھنا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ محض خواہش سے ایسا ہونا ممکن نہیں بلکہ اس کے لئے اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس اجتماعیت کے لئے رہنمائی تمام مواد حکمتِ اقبال میں موجود ہے، پس پاکستانیوں کو چاہئے کہ پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لئے حکمت اقبال کو آئیڈیل کے طور پر اپنالیں کیونکہ یہ قرآن و سنت ہی سے ماخوذ ہے۔

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں کہ یہ چار سو بدل جائے

6۔ محمد فیاض عادل فاروقی ۔لندن

ماہنامہ 'حکمتِ بالغہ' کی خصوصی اشاعت بابت نومبر ۲۰۱۵ بعنوان 'حکمتِ اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے' میں جھنگ کے ایک سپوت جناب انجینئر مختار حسین فاروقی نے جس مدلل اور مفکرانہ طریقے سے تعلیماتِ اقبال کی روشنی میں 'نظریۂ پاکستان' کو اجاگر کیا ہے اس سے ایک تو سیکولر مزاج لابی کو سخت دھچکا لگے گا، دوسرے وہ نوجوان جو کلامِ اقبالؒ کو صرف فلسفیانہ موشگافیوں کا موضوع سمجھتے تھے ضرور چونک اٹھیں گے۔ حکمتِ بالغہ نے جس سادگی، سلاست اور فکر انگیز تحقیق کی روشنی میں اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس سے موضوع کا گویا پوری طرح حق ادا ہو گیا ہے۔ مثلاً دیکھئے 'علامہ اقبالؒ نے اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید کے اِس عظیم الشان کارنامے، اور انقلاب کے منہج اور منہاج کی واضح نشاندہی کی عظیم خدمت، اور مسلمانانِ ہند کے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے طبقے میں ایک جذبۂ عمل پیدا کرنے کی بھرپور سعی کے باوجود خود نہ کسی احیائی تحریک کا آغاز کیا، نہ ہی کسی جماعت کی تاسیس کی۔ اور اسی بنا پر ہم نے اس سے قبل انہیں شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے مشابہ قرار دیا تھا، جو اگرچہ خود تو آخر وقت تک صرف ایک گوشہ نشین درویش اور معلم و مصنف ہی رہے لیکن انہوں نے ایک جانب مسلمانانِ ہند کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لئے افغانستان سے احمد شاہ ابدالیؒ کو بلایا، اور دوسری جانب صحیح علم و عمل کی وہ فضا پیدا کر دی جس کے نتیجے میں دوسری ہی نسل میں سیّد احمد بریلویؒ کی قیادت و امارت میں اور شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ اسماعیلؒ کی معاونت و مبایعت سے تحریکِ مجاہدین ایسی عظیم تحریک برپا ہو گئی۔ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ بالکل اسی طرح علامہ مرحوم نے بھی مسلمانانِ ہند کی قومی جدوجہد کی کشتی کی ناخدائی کے لئے بلایا قائدِ اعظم محمد علی جناح کو انگلستان سے، اور خود اپنی بھی عملی سرگرمی کو اسی قومی دائرے میں محدود رکھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان ہی کی 'تجدیدِ فکرِ اسلامی' تھی جس کے نتیجے میں اوّلاً مولانا ابوالکلام آزادؒ نے 'حکومتِ الٰہیہ' کا نعرہ لگایا اور 'حزب اللّٰہ' قائم کی اور بعد ازاں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی میدان میں اترے، جنہیں حضرت علامہ ہی نے پنجاب نقل مکانی کی دعوت دی جہاں کی فضا علامہ کی ملّی شاعری کے ذریعے بہت ہموار اور سازگار ہو چکی تھی۔' (ص ۳۷)

'انسانی سطح پر حاکمیّت کی تبدیلی یعنی ایک فرد یا ایک خاندان کی حاکمیّت کی بجائے عوام کی حاکمیّت

لانے کے لئے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے، تو وہ کتنا بڑا انقلاب ہے جو برپا کیا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے جسے یوں تعبیر کیا علامہ اقبال نے کہ

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں

یہ عظیم ترین انقلابی نظریہ ہے: اللہ کی حاکمیّتِ مطلقہ۔ اللہ کے سوا کوئی حاکمِ مطلق نہیں ہے۔ نہ کوئی فرد، نہ کوئی خاندان، نہ کوئی قوم، نہ پوری نوعِ انسانی۔ انسان کے لئے حاکمیت کی نفی مطلق ہے۔ انسان کے لئے تو خلافت ہے، اور وہ بھی عوامی خلافت، یعنی خلیفہ بھی آسمان سے مقرر نہیں ہوتا بلکہ عوام میں سے منتخب ہوتا ہے۔ اہلِ سنت اور اہلِ تشیع کے تصورِ خلافت و امامت میں اساسی و بنیادی فرق یہی اختلاف ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک امامت صرف ایک خاندان کا حق ہے اور امام 'مامور من اللہ' ہوتا ہے لہٰذا 'مُطاعِ مطلق' بھی ہوتا ہے اور 'معصوم عن الخطا' بھی۔ ہمارا (اہل السنّت و الجماعت کا) تصوّر و عقیدہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہمارے نزدیک مامور من اللہ ہونا اور معصومیّت خاصۂ نبوت و رسالت ہیں۔ جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت ختم ہوئی اور رسالت کی تکمیل ہوگئی۔ لہٰذا معصومیّت بھی ہمیشہ ہمیش کے لئے ختم ہوگئی۔ کوئی خلیفہ یا امام مامور من اللہ نہیں۔ کوئی معصوم نہیں ہے اور نہ تا قیامِ قیامت ہوسکتا ہے۔ ہمارے عقیدے کے مطابق مسلمانوں کیلئے خلافت ہے، خلافتِ عامّہ، یعنی عوام الناس اپنی رائے سے جس کو چاہیں خلیفہ چن لیں۔ گویا کہ وہ اپنے حق خلافت کو تفویض (DELEGATE) کر رہے ہیں ایک شخص کو کہ وہ ان کا سربراہ ہے۔

خلافتِ راشدہ درحقیقت تتمہ اور ضمیمہ تھی دورِ نبوت کی۔ وہ مشن جو حضور ﷺ کو دیا گیا تھا 'ھُوَالَّذِی اَرسَلَ رَسُولَہٗ بِالھُدیٰ وَ دِینِ الحَقِّ لِیُظھِرَہٗ عَلَی الدِّینِ کُلِّہٖ' اس کی توسیع اور عالمی سطح پر اس کی تکمیل کے لئے دراصل یہ خلافت کا نظام قائم کیا گیا تھا کہ ایک ملک میں اللہ کے دین کو بنفسِ نفیس نبی کریم ﷺ نے غالب اور قائم فرما دیا اور پھر پورے کرۂ ارض پر اسے غالب کرنے کا کام امت کے حوالے فرما دیا۔ صحابۂ کرامؓ کو یہ مشن دے کر حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔ لہٰذا یہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تھی۔ اس لئے صدیقِ اکبرؓ پہلے خلیفۂ راشد نے اپنے لئے 'خلیفۃ رسول اللہ' کا لفظ اختیار کیا۔ لیکن آئندہ مستقل طور پر اسلامی خلافت کا سربراہ

خلیفۃ المسلمین یا امیر المؤمنین کہلائے گا۔ یعنی اصل میں تو تمام مسلمان خلافت کے اہل اور حامل ہیں لیکن وہ جب اپنی رائے سے کسی کو خلافت کی ذمہ داری تفویض کریں گے تو وہ مسلمانوں کا خلیفہ ہوگا۔ یہ ہے نظریۂ توحید کا سب سے پہلا انقلابی تصور جس کا تعلق سیاسی ڈھانچے سے ہے۔'
(ص ۱۲۸۔۱۳۰ تحریر ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

حکمتِ بالغہ کے اس شمارے میں بھی، ہر شمارے کے مشمولات کی طرح، قدم قدم پر قلب وضمیر کو جھنجھوڑنے والے انکشافات ملتے ہیں مثلاً

'مغرب نے سوچا کہ اگر علامہ اقبال کی شخصیت اور افکار کو مسلمانانِ ہند کے ذہنوں سے محو کر دیا جائے تو پھر مسلمان بے مقصدیت کا شکار ہو جائیں گے اور پاکستان بے یار و مددگار رہ کر ایک ناکام ریاست بن جائے گا۔ اور ہماری بدقسمتی کہ عملاً یہی ہوا اور علامہ قبالؒ کو ہمارے تعلیمی نصاب سے پرائمری لیول سے لے کر یونیورسٹی لیول تک سب جگہ سے نکال دیا گیا۔ آج کی اصطلاح میں علامہ اقبال یہ کہہ کر کہ

چین و عرب ہمارا ، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم ، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

دنیا کا امن خراب کرتے ہیں اور دہشت گرد ہیں۔' (ص ۹)

محترم انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب کا یہ بصیرت افروز اجتہادی نظریہ نہایت قابلِ غور ہے کہ 'ہمارے نزدیک پاکستان کے تاریخی، جغرافیائی، مذہبی اور سیاسی پس منظر میں مسلمانانِ پاکستان کسی مذہبی تشریح و توضیح یا کسی اجتماعی مسئلے (فقہی نہیں) میں اگر کسی ایک شخصیت پر اعتبار کر سکتے ہیں تو وہ شخصیت بلاشبہ علامہ اقبال کی شخصیت ہی ہے۔' (ص ۱۰)

'حکمتِ بالغہ' کا یہ خصوصی شمارہ، بلکہ اس کا ہر شمارہ، اپنے اندر تاریخ، تمدّن، معاشیات، اخلاقیات، سیاسیات اور دینیات کے نئے سے نئے اکتشافات اور ذہن وقلب کو نمو ئے تازہ دینے والے ایسے نت نئے اجتہادات سامنے لاتا ہے کہ لگتا ہے ایک نئے ابوالکلام آزادؒ نے جنم لیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ ابوالکلامؒ کے افکار انشاء پردازی اور رومانویت وتغزل سے بھرپور مستانہ تحریر میں گھلے ہوتے تھے جن کا اثر نشہ آور ہوتا تھا، جبکہ جناب مختار حسین فاروقی کی تحریریں اپنی سادگی، سلاست، روانی، منطقی استدلال اور حقائق کی بوقلمونی کے باعث نشہ شکن اور عمل انگیز ہیں۔

گورنمنٹ کالج جھنگ میں میرے ہم جماعت مختار حسین فاروقی صاحب لاہور میں انجینئرنگ کی تعلیم کے دوران ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور ڈاکٹر رفیع الدینؒ سے وابستہ ہوئے اور یوں مولانا حمید الدین فراہیؒ کی وراثت مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ سے اور اقبالؒ کی وراثت ڈاکٹر رفیع الدینؒ سے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

7۔ ماہنامہ متاعِ کارواں، بہاولپور (جنوری 2016ء)

معاصر ماہنامہ حکمت بالغہ جس کے مدیر مسئول محترم انجینئر مختار فاروقی صاحب ہیں اور ملک میں نظامِ خلافت کے داعی ہیں، آپ بڑی برق رفتاری سے علمی اور فکری کام کو آگے بڑھا رہے ہیں، متعدد کتابوں کے مصنف ہیں اور ماہنامہ حکمت بالغہ کے کئی ضخیم خصوصی نمبر شائع کر چکے ہیں۔ اس وقت نومبر 2015ء کا حکمت بالغہ کا خصوصی نمبر ہمارے سامنے ہے، اس کا عنوان ہے: ''حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے''۔ یہ شمارہ ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں نہایت عرق ریزی کے ساتھ حکمت اقبال کے حوالے سے دس ابواب میں تحقیقی مواد پیش کیا گیا ہے۔ کاغذ اور پرنٹنگ کا معیار بھی بہت عمدہ ہے، جگہ جگہ علامہ اقبال کے اشعار سے بھی قارئین کی ضیافت کی گئی ہے، تاریخی حوالے سے بھی اس میں بہت عمدہ مواد پیش کیا گیا ہے۔ بہرحال یہ ایک بہترین دستاویز ہے جس کا مطالعہ قارئین کے لیے علم وفکر کے نئے دریچے کھول سکتا ہے۔

8۔ عبدالرشید ارشد، جوہر آباد

قرآن اکیڈمی جھنگ کا ترجمان ''ماہنامہ حکمتِ بالغہ'' اہم عنوانات پر خصوصی اشاعتوں کے لئے منفرد مقام کا حامل ہے۔ اپنی اس روایت کو برقرار رکھتے نومبر 2015ء میں ''حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے'' کے عنوان سے 248 صفحات پر محیط خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا اور یہ سارا معرکہ تن تنہا مدیر حکمت بالغہ محترم مختار فاروقی صاحب نے انجام دیا۔ شمارہ میرے ہاتھوں میں ہے ضخامت دیکھتے میں اندازہ کرسکتا ہوں کہ یہ دنوں کی محنت نہیں دنوں کے ساتھ راتوں کی قربانی سے یہ ممکن ہوسکا۔

علامہ اقبال کے والد محترم نے ایک بار انہیں قرآن پڑھتے دیکھ کر یہ فرمایا تھا کہ اقبال قرآن اس طرح پڑھو کہ یہ تمہارے رب نے تمہارے ہی نام خط لکھا ہے۔ تم ہی اس کے مخاطب ہو

اور پھر علامہ اقبال کی عملی زندگی نے یہ عملاً ثابت کر دیا کہ خالق کے علامہ کے نام لکھے گئے اس خط نے ان کی مؤمنانہ بصیرت کو کیسے جلا بخشی کہ انہوں نے قرآن حکیم کی منظوم تشریح و تعبیر قوم کے سامنے رکھی۔ خاق نے القا کا دَروَا کیا اور اقبال نے اس نعمت عظمیٰ سے فیض حاصل کرتے ملتِ مسلمہ کو راہنمائی دینے کا حق ادا کیا۔ یہ ان کا منظوم کلام ہو، خطبات الہ آباد ہوں، تشکیل پاکستان کے لئے قائداعظم محمد علی جناح کے مشیر بنے مگر خالق نے بلوالیا۔ اسلام کی تبلیغ وتشریح کے لئے زندگی وقف کیے ہوئے تھے جس کا ایک نا قابلِ تردید ثبوت اپنے زمیندار دوست چوہدری نیاز علی خان، جو محکمہ انہار سے ریٹائرڈ افسر تھے اور سید ابوالاعلیٰ مودودی سے مل کر پٹھانکوٹ میں دینی دارالعلوم کی بنیاد رکھتے دارالاسلام ٹرسٹ قائم کیا جو آج جوہر آباد میں ان کا صدقہ جاریہ ہے۔

لندن میں زیر تعلیم چوہدری رحمت علی نے ملت مسلمہ کے لئے تقسیم ہند اور تشکیل پاکستان کا تصور دیا۔ علامہ اقبال نے قائداعظم کو حوصلہ دیتے مجوزہ منزل تک رسائی کے لیے مہمیز لگائی اور پھر قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی سنگین نوعیت کی بیماری کو چھپاتے عملی سعی و جہد کا آغاز کیا 1938ء میں علامہ سے ساتھ چھوٹ گیا، اپنوں نے مکمل ساتھ نہ دیا بلکہ بعض حلقوں نے مخالفت بھی کی مگر خالق نے اقبال اور قائداعظم کے مخلصانہ جذبہ کی لاج رکھتے 27 رمضان المبارک، لیلۃ القدر بموجب 14 اگست 1947ء آزاد اسلامی جمہوریہ پاکستان قائد کی جھولی میں ڈال دی۔ یقیناً اس روز علامہ اقبال کی روح مسرور ہوئی ہوگی۔

حکمت بالغہ کے فاضل مدیر اعلیٰ نے اس خصوصی اشاعت میں دس ابواب اور ضمیمہ جات کو 248 صفحات پر مکمل کر کے اسے تاریخی ریکارڈ بنایا ہے جو اس موضوع پر تحقیق کنندگان کے کام کو سہل بنانے کا موجب ہوگا۔ ہر باب چند ذیلی عنوانات کا حامل ہے مثلاً باب اوّل میں: اسلام کا انقلابی فکر اور اس کا زوال۔ فکر اسلامی کی تجدید اور علامہ اقبال۔ ایسے اوصاف تھے سیدنا محمد ﷺ کے۔ خلافت یعنی درویشی کی حکمرانی کا قیام اور مملکتوں کے استحکام کے بارے میں علامہ اقبال کے تجویز کردہ کے تصورات۔ پہلے باب کے مذکورہ ذیلی عنوانات، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مجوزہ خاکہ میں اقبال کے تجویز کردہ رنگوں اور اُن کی دینی فکر کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بظاہر مسٹر ڈاکٹر اقبال فی الاصل حقیقی مولانا محمد اقبال تھے۔

اسلامی ریاست کے درخشان دور اور اس ضمن میں بعد کی تبدیلیوں پر تجزیاتی پیرا گراف ہر لحاظ سے فکر انگیز ہے کہ آغاز سفر کیا تھا، تدریجی انحطاط کا راستہ کس کس نے کیسے روکنے کی کوشش کی:

''پھر یہ تو ہماری تاریخ کا نہایت شاندار اور قابل فخر باب اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیم و تربیت کا عظیم مظہر ہے کہ خلافت کے ملوکیت میں تبدیل ہونے کے تدریجی عمل کے ہر مرحلے پر اصحاب ہمت وعزیمت اس زوال وانحطاط کو روکنے کے لیے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے رہے۔ چنانچہ اوّلین مرحلے پر سیّدنا حسین بن علی اور سیّدنا عبداللہ ابن زبیر (رضی اللہ عنہم) اور درمیانی اور آخری مراحل میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے حضرت زید بن علی اور حضرت حسن کی اولاد میں سے محمد ابن عبداللہ اور ان کے بھائی ابراہیم ابن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس زوال کو اپنی جانوں کی قربانی کے ذریعے روکنے کی کوشش کی.....'' (صفحہ 17)

''فکرِ اسلامی کی تجدید اور علامہ اقبال'' کے عنوان پر مدیر محترم نے تجزیہ کا حق ادا کرتے علامہ کے یورپ کے نظام پر ناقدانہ خیالات، سیکولرازم اور کیمونزم کی حقیقت بیان کرنے کے بعد نظام اسلام پر بصیرت افروز بات کو یوں سمیٹا ہے کہ:

''علامہ اقبال نے یورپ کی علمی اور سائنسی ترقی کو روح قرآن کا ظہور اور بروز، اور عوام کے سیاسی اور معاشی حقوق کے تصور کو نورِ محمدی (ﷺ) سے ماخوذ اور مستعار قرار دینے، اور اسلام کے علم کلام کو افلاطونی تصورات کی دلدل اور ارسطو کی منطق کی بھول بھلیوں سے نکال کر جدید تجرباتی علوم کی اساس پر استوار کرنے کے ساتھ ساتھ ایک جانب مغرب کے دو جدید عمرانی نظریات اور بنیادی سیاسی تصورات پر کڑی تنقید کرتے ہوئے مغربی تہذیب کو پوری خود اعتمادی اور جرأت رندانہ کے ساتھ چیلنج کیا، اور دوسری جانب .....اسلام کی اصل انقلابی فکر کی پوری ''مجددانہ'' شان کے ساتھ از سر نو تدوین کا فریضہ سرانجام دیا.....'' (صفحہ 22)

شمارہ کے آغاز سے انجام تک حرف حرف فکر انگیز ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس کے تجزیاتی تعارف کے لئے شمارے کے صفحات سے زیادہ صفحات درکار ہیں۔ ہم نے نمونۃً ''مشتے از خروارے''

دو اقتباسات کا سہارا لیا جب کہ یہاں ''تنگی دامن'' والا معاملہ ہے۔ مدیر محترم نے جو گلدستہ تیار کیا ہے وہ علمی دنیا خصوصاً پاکستانیات پر تحقیقی مقالے لکھنے والوں کے لئے مکمل مدلل گائیڈ ہے۔ علامہ کی شاعری پر بہت کچھ لکھا گیا۔ پی ایچ ڈی کے مقالے بھی تحریر ہوئے مگر اس پہلو سے غالباً یہ اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے۔ اللہ تعالیٰ مدیر محترم کو ان کے قلم کو زندگی دے استقامت بخشے۔ آمین۔

9۔ مسعود مختار گوندل، آفیسر، پنجاب بنک، لاہور

اگرچہ قرآن اکیڈمی جھنگ کے ابتدائی تربیتی کورس کے دوران بھی حکمت اقبال سے روشناس ہوا۔ تاہم ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ کی خصوصی اشاعت ''حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے۔'' میرے لیے یقیناً ایک معلومات افزا اشاعت ہے۔ اشاعت ہذا حکمت وفکر اقبال کی ترویج، علامہ اقبال کے حوالہ سے ان کے عقیدت مندان کے جذبہ وشوق کی تسکین، تصور پاکستان سے تخلیق پاکستان تک کی مستند تاریخ، قیامِ خلافت کے کارکنوں کے لیے ایک نادر تحقیق، راہِ وفا میں صبر وانتظار کی راہوں پر تیز ترک گامزن کے ولولہ ہائے شوق کی مہمیز اور اربابِ قلم کی لازوال تحریری کاوشوں کا حسین گلدستہ ہے۔ گو علامہ اقبال پر ان کی حیات ہی میں اُردو رسائل کی خصوصی اشاعتوں کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا اور ان کی وفات اور مابعد ہر سال انکے یوم وفات پر تو تمام بڑے بڑے رسائل و جرائد نے خصوصی نمبر شائع کر کے انہیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ اخبارات، رسائل و جرائد میں یہ سلسلہ رواں دواں ہے۔ لیکن ان تمام خصوصی اشاعتوں میں اس اشاعت کو تفرد کا درجہ حاصل ہے۔ تشکیل انسانیت، سیرت النّبیین، انقلاب آفرین سیرت ختم المرسلین، نظریہ پاکستان، جدید اسلامی فلاحی ریاست اور پس چہ باید کرد اے اقوام شرق؟ کی عملی رہنمائی وتعبیر سے مزین ایسے مقالات پر مشتمل حکمت بالغہ کی یہ ایک قابل قدر سعی ہے۔ عصری تقاضوں خصوصاً پاکستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر یہ اشاعت دراصل جمہوریت کے نام پر سفاکانہ اقدامات کے خلاف اصلاحِ احوال کا ایک منشور بھی ہے۔ اگر آج بھی حکمت اقبال اور روحِ نظریہ پاکستان کو رُو بعمل لا کر سود سے پاک پاکستانی معاشرہ کی تشکیل نو ہو جائے تو یہ معاشرہ اپنی رفعتوں میں انسانیت کے نہ صرف اعلیٰ مقام پر نظر آئے گا بلکہ اقوامِ عالم کی رہنمائی کے فریضہ سے بھی عہدہ برآ ہو سکے گا۔

نظم فقر

از کلیاتِ اقبال (فارسی) پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق

سلسلہ وار 2

با سلاطیں درفتد مردِ فقیر از شکوہِ بوریا لرزد سریر

مردِ فقیر، بادشاہوں کے مقابلے میں کھڑا ہو جاتا ہے (اس کے) بوریے کے دبدبے سے تخت لرزتا ہے

از جنوں می افگند ہوے بہ شہر وارہاند خلق را از جبر و قہر

اس کے جنون سے شہر میں ہنگامہ کھڑا ہو جاتا ہے وہ مخلوق کو ظلم و ستم سے نجات دلاتا ہے

می نگیرد جز بآں صحرا مقام کاندر و شاہیں گریزد از حمام

وہ اپنا ٹھکانا نہیں بناتا سوائے ایسے صحرا کے جس کے اندر شاہین کبوتر سے دور رہتا ہے (یعنی بھیڑیا و بکری ہم گھاٹ)

قلبِ او را قوت از جذب وسلوک پیش سلطاں نعرۂ او لاملوک!

اس کا دل جذب وسلوک (تلاشِ حق) سے قوت پاتا ہے وہ سلطان کے سامنے 'کوئی بادشاہ نہیں' کا نعرہ لگاتا ہے

آتش ما سوز ناک از خاکِ او شعلہ ترسد از خس و خاشاکِ او

ہماری آگ اُس کی خاک سے گرم ہے اس کے خس وخاشاک سے شعلہ ڈرتا ہے

برنیفتد ملتّے اندر نبرد تا در و باقیست یک درویش مرد

کوئی قوم لڑائی میں نہیں گرتی جب تک اس میں کوئی مردِ درویش باقی رہتا ہے

آبروئے ما ز استغنائے او ست سوزِ ما از شوق بے پروائے اوست

ہماری عزت اس کے استغنا کی وجہ سے ہے ہمارا سوز اس کی بے نیازی کے شوق سے ہے

خویشتن را اندر ایں آئینہ بیں تا ترا بخشند سلطانِ مبیں

اپنے کردار کو اس آئینے میں دیکھ تا کہ تجھے عالمی غلبہ نصیب ہو

حکمت دیں دل نوازی ہائے فقر قوتِ دیں بے نیازی ہائے فقر

فقر کی دل نوازیاں حکمت دین ہے فقر کی بے نیازادائیں قوتِ دین ہے

الحمدللہ

ماھنامہ

حکمت بالغہ

جھنگ

اشاعت کے 9 سال　　9 خصوصی اشاعتیں

1　2007ء　حقیقت انسان نمبر

2　2008ء　حقیقت علم نمبر

3　2009ء　احیاء العلوم نمبر

4　2010ء　دوقومی نظریہ اور پاکستان کا نظریاتی نظامِ تعلیم نمبر

5　2011ء　حقوقِ نسواں نمبر

6　2012ء　یاجوج ماجوج نمبر

7　2013ء　خصوصی اشاعت: الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ ﷺ

8　2014ء　خصوصی اشاعت: جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش.....

9　2015ء　خصوصی اشاعت: حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے

خود مطالعہ کریں.....دوستوں کو تحفہ دیں.....محدود تعداد میں دستیاب ہیں

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ

047-7630861-0336-6778561

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ

حسب روایت 2016ء میں بھی

قرآن اکیڈمی جھنگ میں

25روزہ قرآن فہمی کورس کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

تعطیلاتِ گرما کے دوران

مئی، جون، جولائی، اگست

میں منعقد ہوں گے

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہو سکتے ہیں تاکہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کر سکیں۔

تفصیلات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ

047-7630861-0336-6778561